خشک سالی اور دھند کا علاج: اندھا دھند زندگی سے استغفار

اس وقت ملک عزیز میں طبیبوں اور ڈاکٹروں کی دکانوں پر مریضوں کی بھیڑ، ذرائع مواصلات، گاڑیوں، ٹرینوں، بسوں اور ویگنوں کی سست رفتاری اور مسافروں کے طے شدہ پروگراموں کی شکست وریخت اور اسی طرح کے دیگر غیر یقینی احوال وظروف اور پریشانیاں جن میں اہل پاکستان اس وقت مبتلا نظر آتے ہیں۔ ان سب کی اصل وجہ موجودہ خشک سالی اور رات کے وقت فضا میں چھا جانے والی دھند ہے۔ یہ بات تو ہم سبھی جانتے ہیں مگر یہ بات بہت کم لوگ جانتے اور مانتے ہوں گے کہ اس خشک سالی اور دھند کی اصل وجہ ہماری وہ اندھا دھند زندگی ہے جو شریعتِ اسلامیہ سے بے نیاز و بے تعلق ہو کر بسر ہو رہی ہے۔ اس صورتِ حال سے نجات کی اصل راہ وہی ہے جو قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہے، یعنی ﴿اِسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًاۙ یُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًاۙ﴾ [نوح: ۱۰، ۱۱] ''اپنے پروردگار سے (گناہوں کی) بخشش مانگو! یقیناً وہ بخشنے والا ہے، وہ تمھارے اوپر موسلا دھار بارش برسانے والا بادل بھیجے گا۔'' (قاری نعیم الحق نعیم رحمہ اللہ)

حکم رسول ﷺ قرآن کی طرح واجب الاطاعت ہے

عام طور پر رسول اللہ ﷺ کے حکم کو ثانوی حیثیت یا پھر ذاتی رائے کی حیثیت دی جاتی ہے جب کہ حقائق اس کے خلاف ہیں۔ دراصل حضور ﷺ کا حکم بھی قرآنی حکم کی طرح واجب العمل ہے، چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ [الحشر: ۷]

''تمھیں جو کچھ رسول اللہ ﷺ دیں لے لو اور جس سے روکیں رک جاؤ۔''

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں امام ابن کثیر مسند احمد اور بخاری و مسلم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے اس عورت پر جو گدوائے اور جو گودے اور جو اپنی پیشانی کے بال لے اور جو خوب صورتی کے لیے اپنے سامنے کے دانتوں کی کشادگی کرے اور اللہ تعالیٰ کی بنائی پیدائش کو بدلنا چاہے۔ یہ سن کر بنو اسد کی ایک عورت، جس کا نام ام یعقوب تھا، آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور پوچھا کہ کیا آپ رضی اللہ عنہ نے اس طرح فرمایا ہے: آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں، میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت کی اور جو قرآن میں موجود ہے۔ اس نے کہا: میں نے پورا قرآن اوّل سے آخر تک پڑھا ہے لیکن میں نے اس میں یہ حکم نہیں پایا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم سوچ سمجھ کر پڑھتیں تو ضرور پاتیں۔ کیا تم نے یہ آیت:

﴿مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ﴾ نہیں پڑھی؟ اس نے کہا: یہ تو پڑھی ہے۔ پھر آپ نے وہ حدیث سنائی۔''

(تفسیر ابن کثیر: ۳۱۴/۵ اُردو)

پس معلوم ہوا کہ جس طرح قرآنِ مجید کا حکم واجب الاطاعت ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا حکم بھی واجب الاطاعت ہے۔ نیز مومن ہونے کے لیے شرط لگا دی کہ جب تک تم دل و جان سے قبول نہ کرو گے تم مومن نہیں ہو سکتے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [النساء: ۶۵]

''پس نہیں! تیرے رب کی قسم ہے! وہ مومن نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ تجھے اس میں فیصلہ کرنے والا مان لیں جو ان کے درمیان جھگڑا پڑ جائے، پھر اپنے دلوں میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں جو تو فیصلہ کرے اور تسلیم کر لیں، پوری طرح تسلیم کرنا۔''

(پروفیسر محمد طیب، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دار الدعوۃ السلفیۃ

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی

07 صفر المظفر 1434ھ جمعۃ المبارک 21 تا 27 دسمبر 2012ء

شمارہ 49 جلد 64

خط کتابت کے لیے	:	ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر	:	ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور
فون نمبر	:	042-3735 4406
فیکس نمبر	:	042-37229802
رجسٹرڈ نمبر	:	CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	-/12 روپے
سالانہ	:	-/500 روپے
بیرونی ممالک سے	:	-/200 ریال -/60 ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

علیحدگی

ملک عصمت اللہ

آج سولہ دسمبر ہے۔آج سے چالیس برس پہلے ایک ایسا سانحہ پیش آیا کہ پوری قوم غم واندوہ کے سمندر میں ڈوب گئی،یعنی پاکستان دولخت ہوگیا اوراس کی راکھ سے دومستقل ملکوں...... بنگلہ دیش اور''نئے پاکستان'' ...... نے جنم لیا۔وقت گزرنے کے ساتھ غم کا بوجھ تو دلوں سے ہلکا ہوگیا لیکن اس کی تلخ یادیں آج تک ذہنوں میں موجود ہیں۔جب بھی سال بعد یہ دن آتا ہے قوم کو اپنوں اور بیگانوں کے لگائے ہوئے زخم تازہ ہوجاتے ہیں اور دل میں دردناک ٹیسیں اٹھنے لگتی ہیں۔تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے ان حالات کا غیر جانبدارانہ جائزہ اوران واقعات کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جائے تو بیگانوں کی سازشوں اورکوششوں کے ساتھ اپنوں کا کردار بھی کچھ کم مجرمانہ نظر نہیں آتا۔

صدر ایوب کے دس سالہ آمرانہ اقتدار سے لوگ اکتا چکے تھے اوران کی یہی اکتاہٹ اس کے خلاف ایک زبردست تحریک بن کرابھری۔اس نے سیاست دانوں کے ساتھ مذاکرات کا ڈول ڈالا جس کے نتیجے میں گول میز کانفرنس کا انعقاد ہوا۔سیاست دانوں نے اصرار کرکے شیخ مجیب الرحمٰن کو جواگرتلہ سازش کیس میں گرفتار تھے، رہا کرالیا لیکن اس کے باوجود ملک اورقوم کی بدقسمتی سے مذاکرات کی یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی اور یہ گول میز کانفرنس ناکام ہوگئی۔ایوب خاں نے اس تحریک سے گھبرا کر ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو استعفیٰ دے دیا اوراپنے ہی بنائے ہوئے دستور (۱۹۶۲ء) کے برعکس مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے قومی اسمبلی کے سپیکر عبدالجبار کو سونپنے کی بجائے اقتدار اس وقت کے فوجی جرنیل یحییٰ خاں کے سپرد کردیا۔اس اقدام سے آئین کی جو بے توقیری ہونی تھی سو ہوئی، آئین پر قوم کا اعتماد اٹھنا تھا سو اٹھا لیکن یہ فیصلہ مشرقی پاکستان کے لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات کے کانٹے بوگیا اوران کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ مغربی پاکستان والے اقتدار ان کے حوالے کبھی نہیں کریں گے۔اس پر بعد کے حالات نے بھی مہر تصدیق ثبت کردی۔

یحییٰ خاں نے ملک کا اقتدار سنبھالنے کے بعد چند ایسے اقدامات کیے جن کی بنا پر مشرقی پاکستان کا پاکستان سے الگ ہوکر بنگلہ دیش کا روپ دھار لینا ناگزیر سا ہوگیا تھا۔یحییٰ خاں نے ملک بھر میں مارشل لاء نافذ کردیا اورایوبی دستور (۱۹۶۲ء) کو منسوخ کردیا۔تمام سیاسی جماعتوں کا متفقہ مطالبہ تھا کہ سابقہ دستور (۱۹۵۶ء) بحال کردیا جائے لیکن یحییٰ خاں نے اس مطالبے کو درخور اعتنا نہ سمجھا اوردستور کی جگہ لیگل فریم ورک آرڈر جاری کردیا جس میں مغربی اور مشرقی پاکستان کی مساوی نمائندگی ختم کردی گئی اور ون مین ون ووٹ کا اصول اپنایا گیا۔اس سے آبادی کے تناسب سے مشرقی پاکستان کو ۵۶ فی صد نمائندگی مل گئی اورمغربی پاکستان کی نمائندگی کم ہوکر ۴۴ فی صد رہ گئی جس سے طاقت اوراقتدار کا توازن بگڑ گیا۔انتخابات میں قومی اسمبلی کی تین سو نشستوں میں آبادی کے تناسب سے مشرقی پاکستان کی ۱۶۲ نشستوں میں مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ نے ۱۶۰ اور مغربی پاکستان کی ۱۳۸ نشستوں میں سے ذوالفقار علی بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی کو ۸۱ نشستیں ملیں۔اصولاً اقتدار کا حق مجیب الرحمٰن کا تھا۔یحییٰ خاں مجیب الرحمٰن کو ملک کا آئندہ وزیراعظم بھی کہہ چکا تھا لیکن یحییٰ خاں اور ذوالفقار علی بھٹو نے باہمی ساز باز کرکے اسے اقتدار سے محروم رکھا جس سے مشرقی پاکستان والوں کا مفروضہ ایک حقیقت میں بدل گیا۔۲۸ فروری ۱۹۷۱ء کو مینار پاکستان کے زیر سایہ تقریر کرکے ڈھاکہ میں ہونے والے قومی اسمبلی کے اجلاس کے بائیکاٹ کا اعلان کردیا اوردیگر جماعتوں کے ارکان کو دھمکی دی کہ جو ڈھاکا جائے گا اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔انھوں نے''ادھر ہم ادھر تم'' کا نعرہ لگایا اورملک کے دو وزیراعظم بنانے کی نادر روزگار تجویز دی۔ان کی یہی شعلہ افشاں تقریر تقسیم ملک کی بنیاد بن گئی۔

اس پر مشرقی پاکستان میں تحریک چل نکلی جس کو دبانے کے لیے فوجی ایکشن کیا گیا۔ایسٹ بنگال رجمنٹ کے فوجی اپنی فوجی بارکوں سے فرار ہوگئے۔عوامی لیگ کے ایم این اے اورایم پی اے فرار ہوکر انڈیا چلے گئے، جہاں انھوں نے جلاوطن حکومت قائم کرلی۔البتہ مجیب الرحمٰن اورڈاکٹر کمال کو گرفتار

کر کے مغربی پاکستان پہنچا دیا گیا۔ اس کے جواب میں مشرقی پاکستان میں پنجابیوں اور بہاریوں کا قتل عام شروع ہو گیا اور یوں حالات قابو سے باہر ہو گئے۔ یہی وہ موقع تھا کہ اندرا گاندھی نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور مکتی باہنی تشکیل دے کر اسے گوریلا جنگ کے لیے مشرقی پاکستان میں داخل کر دیا۔ ۲۰ نومبر کو بھارتی فوج مشرقی پاکستان پر حملہ آور ہو گئی۔ افواج پاکستان اور ان کے ساتھ پرائیویٹ تنظیموں ......البدر، الشمس وغیرہ...... نے صورتِ حال کا بڑی بہادری اور دلیری سے مقابلہ کیا لیکن یہاں پھر اپنوں کی سازشیں کام دکھا گئیں اور مشرقی پاکستان میں برسرپیکار افواج کو سرنڈر کرنے کا حکم دے دیا گیا اور یوں جنرل نیازی کو بھارتی جرنیل اروڑا کے سامنے ہتھیار پھینکنے پڑے۔ اس سے افواج پاکستان کی نیک نامی گہنا گئی۔ ۹۰ ہزار فوجی اور سویلین بھارتی قید میں چلے گئے جنھیں بعد میں بھٹو صاحب نے رہا کرایا۔

میجر ضیاء الرحمٰن نے ریڈیو سے بنگلہ دیش کے قیام کا اعلان کر دیا۔ عوامی لیگ کی جلاوطن حکومت جسے انڈیا نے پہلے ہی تسلیم کر رکھا تھا بنگلہ دیش منتقل ہو گئی! اندرا گاندھی کا ارادہ تھا کہ سقوط ڈھاکہ کے بعد نئے پاکستان پر حملہ کر کے اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دے لیکن امریکا اور روس کی مداخلت کی وجہ سے ایسا نہ کر سکی تاہم کارگل کی چوٹیوں پر قابض ہو گئی۔

اس داستان سرائی سے یہ ہرگز مقصود نہیں کہ آپ کو تاریخ پڑھائی جائے بلکہ اس سانحہ کا تذکرہ محض اس لیے کیا گیا ہے کہ اس میں دیدہ عبرت نگاہ کے لیے ہزاروں عبرتیں موجود ہیں۔

آئین تمام جماعتوں اور گروہوں کے درمیان ایک ایسی متفقہ اور مقدس دستاویز ہوتی ہے جس سے قومی اتحاد واتفاق قائم رہتا ہے۔ اگر یہ دستاویز ختم ہو جائے یا اس سے انحراف کیا جائے تو انتشار وبدنظمی اس کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے۔ پاکستان اس سلسلے میں کئی تجربات میں سے گزر چکا ہے۔ جب بھی اس نے آئینی دستاویز کو ہاتھ لگایا ملک تنزل وانحطاط کا شکار ہو گیا۔ ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۲ء کے دساتیر کی منسوخی سے ملک کو جو نقصان پہنچا اس کا خمیازہ قوم آج تک بھگت رہی ہے۔ خدا خدا کر کے ۱۹۷۳ء کا دستور بنا تو یہ بھی ڈکٹیٹروں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا رہا۔ دستور کے خالق نے اس میں بیک وقت آٹھ ترامیم کر کے اس کو متنازع بنانے کی کوشش کی۔ اب تک انیس ترامیم ہو چکی ہیں۔ یہ سب کی سب مفاد پرست طبقوں کے مفادات کی تحفظ کی خاطر ہوئیں۔ کوئی ایک بھی عوامی مفاد کی خاطر ہوئی نہ کی گئی۔

آمریت اس ملک کو کبھی راس نہیں آئی۔ ملک نے تیس سال کا عرصہ آمریت کے زیر سایہ گزارا ہے۔ اس دوران میں صنعتی ترقی اور حکومتی استحکام بلاشبہ حاصل ہوا لیکن یہ سب کوششیں عملاً بیکار ثابت ہوئیں یا انھیں بے کار بنا دیا گیا۔

پاکستان طاغوت کی خواہشوں، بھارتی سازشوں اور اپنوں کی کرتوتوں سے ٹوٹا۔ دنیائے کفر کو آج بھی پاکستان کی ترقی واستحکام ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اس لیے کہ الکفر ملة واحدة کے مطابق پورا کفر پاکستان کا ازلی دشمن ہے۔ دیکھیئے کہ یہ کیسا اندوہناک تضاد ہے کہ وزیر داخلہ رحمٰن ملک کا اصرار ہے کہ بلوچستان میں بھارت کی مداخلت کے ثبوت موجود ہیں لیکن ہماری وزارت خارجہ اسے پسندیدہ ترین ملک قرار دینے کے لیے بے قرار ہے۔ حکومتی پالیسیوں کے اس دوغلے پن نے عوام کو الجھا کر رکھا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ موجودہ حکومت کی سرے سے کوئی پالیسی ہی نہیں تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔

مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے ہم نے کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔ سیاسی اور اجتماعی معاملات میں دیگر صوبوں کو نظر انداز کرنے کی جو شکایت اس وقت مشرقی پاکستان کو تھی آج بلوچستان کو ہے۔ کوئی نہیں جو بلوچستان کی درد بھری آواز پر کان دھرے۔ حکومت نے اس سلسلے میں مسلسل خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اقتدار کے نشے کی پینگ میں مست ہے۔ کوئی ملک میں آپریشن کر جائے تو اس کی بلا سے۔ کوئی ڈرون حملے کر کے ملکی سلامتی کو چیلنج کر جائے تو اس کو پروا نہیں۔ کراچی میں آگ لگی ہوئی ہے تو یہ غفلت کی نیند سے بیدار ہونے میں نہیں آ رہی۔ گویا ہر طرف افراتفری مچی ہوئی ہے اور حکومت دور سے اس کا نظارہ کرنے پر ہی اکتفا کر رہی ہے۔ ملک اس صورتِ حال میں پکار پکار کر کہہ رہا ہے ؏ دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو

درس قرآن

قسط نمبر ۵۲

تفسیر سورۂ یٰسٓ

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝﴾ [یٰسٓ: ٦٣-٦٥]

''یہ ہے وہ جہنم جس کا تم وعدہ دیے جاتے تھے۔ آج اس میں داخل ہوجاؤ اس کے بدلے جو تم کفر کیا کرتے تھے۔ آج ہم ان کے مونھوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں اس کی گواہی دیں گے جو وہ کمایا کرتے تھے۔''

ہماری بار بار یاد دہانیوں کے باوجود تم شیطان کے ہاتھوں کھلونا بنے رہے۔ ہم نے تمھیں عقل دی مگر تم نے بے عقلی کا مظاہرہ کیا، اب اس کا انجام یہی جہنم ہے جس کا تمھیں نافرمانیوں کے نتیجے میں وعدہ دیا گیا تھا۔ ہمارے رسول تمھیں اس بھڑکتی آگ سے ڈراتے تھے کہ اگر تم ایمان نہ لائے اور اللہ کی بندگی میں کسی کو شریک ٹھہرایا تو تمھارا ٹھکانہ جہنم ہوگا:

﴿اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝﴾ [المائدۃ: ٧٢]

''بے شک حقیقت یہ ہے کہ جو بھی اللہ کے ساتھ شریک بنائے سو یقیناً اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا آگ ہے اور ظالموں کے لیے کوئی مدد کرنے والے نہیں۔''

مگر تم نے ان کی اس وارننگ کو کوئی اہمیت نہ دی، اس لیے کفر و شرک کی جو راہ تم نے اختیار کی اس کے بدلے میں جہنم میں داخل ہوجاؤ۔

﴿اِصْلَوْ﴾ کا مادہ ''صلی'' ہے جس کا اصل معنی آگ جلانا ہے۔ ''صلی بالنار.'' یعنی اس نے آگ کی تکلیف برداشت کی یا وہ آگ میں جلا۔ (مفردات)

فرشتوں کو حکم ہوگا:

﴿خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ۝﴾ [الحاقۃ: ٣٠، ٣١]

''اسے پکڑو، اسے طوق پہنا دو۔ پھر اسے بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دو۔''

﴿اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ﴾ ''آج ہم ان کے مونھوں پر مہر لگا دیں گے۔'' ﴿نَخْتِمُ﴾ جمع متکلم کا صیغہ ہے اور اس کا مادہ ''ختم'' ہے جس کا معنی کسی چیز پر مہر کی طرح نشان لگانا ہے۔ اور کبھی اس نشان کو بھی ''ختم'' کہہ دیتے ہیں جو مہر لگانے سے بن جاتا ہے۔ اور کبھی اس سے مراد محفوظ کرنا ہوتا ہے، جیسے کتابوں یا دروازوں یا تھیلے پر مہر لگا کر انھیں محفوظ کر دیا جاتا ہے کہ کوئی چیز اس کے اندر داخل نہ ہو۔

''أفواہ'' یہ ''فم'' کی جمع ہے اور ''فم'' اصل میں ''فوہ'' ہے۔ قرآنِ مجید میں جہاں کہیں قول کی نسبت ''فم'' کی طرف کی گئی ہے وہاں دروغ گوئی کی طرف اشارہ ہے اور اس پر تنبیہ ہے کہ وہ صرف زبان سے ایسا کہتے ہیں، حقیقت اس کے خلاف ہے، جیسے فرمایا:

﴿ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ﴾ [الأحزاب: ٤]

''یہ تمھارا اپنے مونھوں سے کہنا ہے۔''

قیامت کے دن جب نامہ اعمال ان کے سامنے کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ اپنا نامۂ اعمال پڑھو تو وہ اس کا انکار کریں گے کہ ہم نے تو یہ اعمال کیے ہی نہیں، ہمارے ذمہ لگا دیے گئے ہیں۔ حتی کہ وہ اپنے مشرک ہونے کا بھی انکار کر دیں گے، چنانچہ جب انھیں کہا جائے گا: جنھیں تم نے شریک بنا رکھا تھا وہ آج کہاں ہیں تو

وہ کہیں گے:

﴿وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ○﴾

[الأنعام: ٢٣، ٢٤]

''اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے، ہم شریک بنانے والے نہ تھے۔ دیکھ انھوں نے کیسے اپنے آپ پر جھوٹ بولا اور ان سے گم ہوگیا جو وہ جھوٹ بنایا کرتے تھے۔''

چنانچہ ان کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے ان کے مونھوں پر مہر لگا دی جائے گی اور اعضاء بول بول کر بتائیں گے کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں کیوں ہنسا ہوں؟'' ہم نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے بندے کی اپنے رب سے اس بات پر ہنسی آئی ہے کہ بندہ کہے گا: اے میرے رب! کیا آپ نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیوں نہیں! بندہ کہے گا: آج میں اپنے خلاف اپنے سوا کسی اور کو گواہی دینے کی اجازت نہیں دوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: آج تمھارے خلاف تمھاری اپنی گواہی کافی ہوگی یا ''کراماً کاتبین'' کی گواہی ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء سے کہا جائے گا: تم بتلاؤ۔ پھر اس کے اعضاء اس کے اعمال کو بیان کریں گے۔ پھر وہ اپنے اعضاء سے کہے گا:

"بعدا لكن وسحقا، فعنكن كنت أُناضِل."

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ٢٩٦٨، أحمد وغيره۔ الدر المنثور: ٥/ ٢٦٧)

''دُور دفع ہو، میں تمھارے لیے ہی جھگڑا کر رہا تھا۔''

اس موضوع کی دیگر روایات کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تفسیر میں اور علامہ سیوطی نے ''الدر المنثور'' میں ذکر کیا ہے۔ یہاں صرف ہاتھوں کے کلام کرنے اور پاؤں کی گواہی کا ذکر ہے مگر ان کے علاوہ دیگر اعضاء کے بولنے اور انسان کے خلاف گواہی دینے کا بھی ذکر ہے، چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے:

﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَاءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ○ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ○﴾

[حٰمٓ السجدة: ١٩-٢١]

''اور جس دن اللہ کے دشمن آگ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے، پھر ان کی الگ الگ قسمیں بنائی جائیں گی۔ یہاں تک کہ جونھی اس کے پاس پہنچیں گے ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے ان کے خلاف اس کی شہادت دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور وہ اپنے چمڑوں سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟ وہ کہیں گے: ہمیں اس اللہ نے بلوا دیا جس نے ہر چیز کو بلوایا اور اسی نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا اور اسی کی طرف تم واپس لائے جا رہے ہو۔''

یہ آیت اس حقیقت کی غماز ہے کہ زبان اس لیے نہیں بولتی کہ وہ زبان ہے بلکہ یہ اللہ کا لطف وکرم ہے کہ وہ بولتی ہے۔ یہی نوعیت دوسرے اعضائے انسانی کی ہے۔ اگر کلام کرنے کا سبب صرف زبان ہوتی تو ضروری تھا کہ ہر زبان رکھنے والا بولتا اور کوئی گونگا نہ ہوتا اور قیامت کے دن بھی بولتا مگر روزِ قیامت زبان ہونے کے باوجود وہ نہیں بولے گی کہ آج سے اپنی مرضی سے بولنے کی اجازت نہیں بلکہ بس وہی بول سکے گی جس کی اسے اجازت ہوگی اور جھوٹ پر مبنی نہیں ہوگی، جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○﴾ [النور: ٢٤]

''جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف اس کی شہادت دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔''

چونکہ یہ زبان بولے گی کہ وہ کیا کفر بولتی رہی، کیا کیا جھوٹ بولے، کن پر الزام تراشیاں اور بہتان ترازیاں کیں اور کیسے کیسے فتنے برپا کیے۔ ہاتھ کہیں گے: ہم نے کیا کیا ستم ڈھائے، کیسے کیسے جھوٹے افسانے لکھے، جھوٹی احادیث لکھ لکھ کر انھیں فروغ دیا۔ پاؤں اعتراف کریں گے کہ ہم کن کن بے حیائی کے اڈوں اور مجلسوں میں چل کر گئے، کتنے ظالموں کی ہمدردی میں ہم آگے بڑھے، چوری، ڈاکہ ڈالنے میں ہم کہاں کہاں پہنچے، کن کن بت خانوں اور آستانوں میں حاضری دی۔ یوں سب اعضاء اپنی ''کارکردگی'' کا اظہار کریں گے۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ سورۃ النور میں زبان کی گواہی کا ذکر ہے۔ زبان سے متعلقہ گناہوں میں ایک بڑا گناہ پاک باز عورت پر بدکاری کی تہمت لگانا ہے۔ اس آیت سے پہلے کی آیت میں اسی گناہ کا ذکر ہے اور اس جرم کے مرتکب کو دنیا و آخرت میں لعنت کا مستوجب قرار دیا گیا ہے۔ سب سے بڑا قذف صدیقہ کائنات سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے اور اسی تناظر میں روز قیامت زبان کی گواہی کا ذکر ہے۔ بلکہ زبان تمام اعضاء کی نسبت خطرے اور گناہ میں بڑھی ہوئی ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا: ''معاذ اس کو روکے رکھو۔'' میں نے عرض کیا: کیا ہم جو کچھ بولتے ہیں اس کا مواخذہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا:

((ثكلتك أمك يا معاذ! وهل يكب الناس في النار على وجوههم إلا حصائد ألسنتهم.))

(جامع ترمذي، رقم الحديث: ٢٦١٦)

''اے معاذ! تمھیں تمھاری ماں گم پائے۔ لوگ جہنم میں منہ کے بل اپنی زبان سے لوگوں کے بارے میں کہی گئی باتوں کی وجہ سے ڈالے جائیں گے۔''

زبان کی بے شمار لغزشوں سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے جس کی نشاندہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ((من صمت نجا.)) (جامع ترمذي، رقم الحديث: ٢٥٠١) ''جو خاموش رہا نجات پا گیا۔'' کہہ کر فرما دی ہے۔

یہاں بہ ظاہر ایک اشکال وارد ہوتا ہے جس کا اظہار حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی کیا گیا تھا کہ قرآنِ مجید میں ایک جگہ تو ارشاد ہے:

﴿وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا﴾ [النساء: ٤٢]

''(کفار قیامت کے دن) اللہ سے کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔''

جب کہ دوسری جگہ فرمایا گیا:

﴿وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ﴾ [الأنعام: ٢٣]

''(کفار کہیں گے:) اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے، ہم شریک بنانے والے نہ تھے۔''

بہ ظاہر ان دونوں آیات میں تعارض ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب کفار دیکھیں گے کہ مسلمانوں کے سوا جنت میں کوئی نہیں جا رہا اور شرک کے علاوہ ان کے گناہوں کی معافی تلافی ہو رہی ہے تو وہ اپنے ہم نوالہ و ہم پیالہ سے کہیں گے کہ ہم شرک کے جرم سے ہی انکار کر دیں، چنانچہ جب وہ کہیں گے کہ ہم مشرک نہیں تھے تو ان کے مونھوں پر مہر لگا دی جائے گی، اب وہ اپنی مرضی سے بول نہیں سکیں گے۔ زبان بول کر ان کے شرکیہ کلمات اور ان کے کفریہ اعمال کی گواہی دے گی بلکہ وہ جو کچھ کرتے رہے ہیں، تمام متعلقہ اعضاء بول کر حقیقت کا اظہار کر رہے ہوں گے۔ اعضاء کی ان کے خلاف یہ گواہی ان کے لیے دہری شرمندگی کا باعث بن رہی ہوگی:

﴿يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا﴾

[النساء: ٤٢]

''اس دن وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی، چاہیں گے کہ کاش! اس پر زمین برابر کر دی جائے اور وہ اللہ سے کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔''

یہاں یہ بات باعثِ عبرت ہے کہ مشرکین دنیا میں اپنے شرک کا اعتراف کرتے تھے اور کہتے تھے:

﴿لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ

شَیْءٍ﴾ [الأنعام: ۱۴۸]

''اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شریک بناتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کوئی چیز حرام ٹھہراتے۔''

مگر یہ اعتراف اس لیے تھا کہ انھیں کہا جاتا تھا کہ تم شرک کا ارتکاب کرتے ہو۔ اس کے جواب میں وہ کہتے کہ اگر یہ شرک ہے تو اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شریک نہ بناتے۔ گویا وہ اپنے کفر وشرک کو حقیقتاً شرک نہیں کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سمجھانے کے لیے اپنے انبیاء کو بھیجا مگر ان کی سرکشی ختم نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ قیامت کے روز جب وہ جھوٹ بولیں گے کہ ہم مشرک نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ ان کے مونھوں پر مہر لگا دیں گے اور زبان اور دیگر اعضاء حقیقت کا اظہار کریں گے۔

آج یہود وہنود اور نصاریٰ وغیرہ تو کیا، مسلمان بھی مشرکانہ اعمال کا ارتکاب کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کو نورِ وحدت کا ٹکڑا قرار دیتے ہیں۔ اللہ کے بندوں کو حاجت روا اور مشکل کشا مانتے ہیں۔ ان سے اولاد طلب کرتے۔ انھیں مافوق الاسباب مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ بیت اللہ کی طرح ان کی قبروں کا طواف کرتے ہیں، انھیں غسل دیتے اور ان پر غلاف چڑھاتے ہیں۔ ان کی نذر ومنت مانتے ہیں اور نماز ہی کی طرح ان کے پاس ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے اور انھیں سجدہ کرتے ہیں۔ اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب انھیں پکارا جائے تو یہ ہماری پکار سنتے ہیں اور مدد کو پہنچتے ہیں۔ یہ سب کچھ کرتے ہوئے بھی کہتے ہیں: ہم شرک نہیں کرتے۔ اور کل قیامت کو بھی کہیں گے کہ ہم مشرک نہیں تھے۔ مگر تب یہ انکار الٹا ندامت وشرمندگی کا باعث بنے گا۔

اعضاء کی گواہی:

یہاں مجرموں کے حوالے سے اعضاء کی گواہی کا ذکر ہوا ہے کہ ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ صرف اعضاء ہی نہیں بلکہ جس زمین پر جو عمل کیا ہوگا زمین کا وہ ٹکڑا بھی بول کر بتلائے گا کہ اس نے مجھ پر یہ اور یہ عمل کیا تھا، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا﴾ [زلزال: ٤] ''اس دن وہ (زمین) اپنی خبریں بیان کرے گی۔'' اور پوچھا:

''تمھیں معلوم ہے کہ اس کی خبریں کیا ہوں گی؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی خبریں یہ ہیں کہ ہر مرد اور عورت نے جو اس پر کیا ہوگا وہ ٹکڑا اس کی گواہی دے گا کہ انھوں نے فلاں دن یہ اور یہ کام کیا تھا۔''

(ترمذي: ۳۳۵۳ وقال: حسن صحيح، أحمد، ابن جرير، حاكم وغيره)

حکم فرماتے ہیں: میں نے ابوامیہ کو بیت اللہ شریف میں دیکھا کہ وہ فرض نماز کے بعد کچھ آگے بڑھے اور اس جگہ پر نماز پڑھی، پھر آگے بڑھے تو وہاں بھی نماز پڑھی۔ یوں جگہ بدل بدل کر وہ نوافل پڑھتے تھے۔ میں نے انھیں پوچھا: یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: میں نے یہ آیت پڑھی ہے: ﴿یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا﴾ میں چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن یہ جگہیں گواہی دیں۔

(عبد بن حميد، الدر المنثور: ۶/ ۳۸۰)

عبداللہ بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں: مجھے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں اور صحرا کو پسند کرتے ہو۔ جب تم صحرا میں ہو اور نماز کے لیے اذان کہو تو اونچی آواز سے اذان کہو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مؤذن کی آواز جو بھی سنتا ہے، خواہ وہ جن ہو، انسان ہو یا کوئی اور ہو تو قیامت کے دن وہ سب اس کی شہادت دیں گے۔ (صحيح بخاري، رقم الحديث: ۶۰۹)

ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ درخت، مٹی کے ڈھیلے، پتھر اور جن وانس الغرض جہاں تک آواز پہنچی ہوگی، کل قیامت کے دن وہ سب چیزیں گواہی دیں گی۔

ابوداود اور نسائی میں ہے کہ ہر تر اور خشک چیز گواہی دے گی۔

(فتح الباري: ۲/ ۸۹)

حضرت یسیرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا:

((علیکن بالتسبیح والتهلیل والتقدیس، واعقدن بالأنامل فإنهن مسؤولات مستنطقات ولا تغفلن فتنسین الرحمة .))

(ترمذي، رقم الحديث: ٣٤٨٦، ٣٥٨٣، أبوداود، حاکم، ابن حبان وغیرهم)

''تم تسبیح، تہلیل اور تقدیس کو لازم پکڑو اور انگلیوں کے پوروں سے ان کا شمار کرو کیونکہ ان سے سوال کیا جائے گا اور ان سے کہلوایا جائے گا۔ تم (ان کے پڑھنے میں) غفلت نہ کرو کہ اللہ کی رحمت کو بھول جاؤ گی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ مومن کے اعضاء اس کے نیک اعمال کی گواہی دیں گے۔ فرعون کی تباہی کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ﴾ [الدخان: ٢٩]

''پھر نہ ان پر آسمان وزمین روئے اور نہ وہ مہلت پانے والے ہوئے۔''

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آسمان کے جس دروازے سے مومن کا رزق آتا ہے اور اعمالِ صالحہ اوپر جاتے ہیں مومن کے فوت ہونے پر وہ دروازہ بند ہو جاتا ہے اور وہ روتا ہے۔ اور جہاں وہ نماز پڑھا کرتا تھا اور جہاں ذکر کرتا تھا زمین کا وہ حصہ بھی روتا ہے۔ آلِ فرعون کا کوئی عمل صالحہ نہ تھا، اس لیے نہ ان پر زمین روئی اور نہ آسمان رویا۔ (ابن جریر، عبد بن حمید وغیرہ، الدر المنثور: ٦/ ٣٠)

تقریباً یہی قول امام مجاہد، قتادہ اور سعید بن جبیر وغیرہ سے منقول ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندۂ مومن ذکر کرتا ہوا پہاڑ کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ دوسرے پہاڑ کو آواز دیتا ہے کہ کیا تمھارے پاس بھی کوئی اللہ کا ذکر کرتا ہوا گزرا ہے؟ جب وہ کہتا ہے: ہاں، گزرا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔

(طبراني ورجاله رجال الصحيح، مجمع: ١٠/ ٧٩)

اس لیے قیامت کے دن صرف اعضاء کی گواہی نہیں ہوگی بلکہ زمین بھی گواہی دے گی۔ فساق وفجار کے بارے میں یہ گواہی ان کو ذلیل ورسوا کرنے کے لیے ہوگی اور صالحین کے بارے میں یہ گواہی ان کی رفعِ منزلت اور عزت افزائی کے لیے ہوگی۔

﴿بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ جو وہ کمایا کرتے تھے۔ یہاں ''يَعْمَلُوْنَ'' نہیں بلکہ ﴿يَكْسِبُوْنَ﴾ فرمایا گیا ہے۔ ''کسب'' اس عمل کو کہتے ہیں جو قصد اور ارادے سے کیا جائے۔ جب کہ ''عمل'' سہو وخطا اور جہالت وبے علمی کی بنا پر بھی ہوتا ہے اور اس پر مواخذہ نہیں ہوتا، اسی لیے فرمایا گیا ہے:

﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ [البقرة: ٢٨٦]

''اسی کے لیے ہے جو اس نے (نیکی) کمائی اور اسی پر ہے جو اس نے (گناہ) کمایا۔''

یہاں بھی ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ﴾ کہا گیا ہے کہ اعمال کا دارومدار قصد ونیت پر ہے۔ یہ اسی نیکی کا اجر ہے جو اللہ کی رضا کے لیے کی گئی تھی اور آخرت میں اسی گناہ پر مواخذہ ہوگا جو قصد وارادے سے کیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وضع عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه .))

(طبراني، إرواء الغليل، رقم الحديث: ٨٢)

''میری امت سے خطا ونسیان اور وہ عمل جس پر اسے مجبور کر دیا جائے ختم کر دیا گیا ہے۔''



مولانا عبدالعزیز راشد کے لیے دعائے صحت

مولانا عبدالعزیز راشد فیصل آبادی مرکزی راہنما مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان، برین ہیمبرج کے باعث شدید علیل ہیں اور الائیڈ ہسپتال فیصل آباد میں زیر علاج ہیں۔ احباب ان کی صحت یابی کے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔ (محمد رمضان یوسف سلفی، فیصل آباد)

درسِ حدیث

غنية القاري بترجمة ثلاثيات البخاري

تاليف: إمام المفسرين، زبدة المحدثين
محي السنة نواب والا جاه صديق الحسن خان رحمه الله

تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید حفظہ اللہ

۴۔ چوتھی ثلاثی حدیث:

"أخرجه البخاري في "باب وقت المغرب" من كتاب "مواقيت الصلاة" التي ذكرت في الربع الأول بالإسناد الذي مر في الثلاثي الأول بعينه هكذا حدثنا المكي بن إبراهيم قال: حدثنا يزيد بن أبي عبيد عن سلمة قال: كنا نصلي مع النبي ﷺ المغرب إذا توارت بالحجاب."

''اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ربع اوّل، کتاب ''نمازوں کے اوقات''، ''باب مغرب کی نماز کا وقت'' میں ذکر کیا ہے۔ کہا امام بخاری نے: حدیث بیان کی ہم کو مکی بن ابراہیم نے، کہا مکی نے: حدیث بیان کی ہم کو یزید بن عبید نے، یزید نے سلمہ بن اکوع سے روایت کی، انھوں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز مغرب پڑھتے تھے جب سورج غروب ہوجاتا تھا۔''

فائدہ: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نمازِ مغرب کو اوّل وقت میں پڑھنا سنت ہے اور اسی پر اجماع ہے۔ اور اختلاف نمازِ مغرب کے آخری وقت میں ہے۔ پانچ نمازوں کے اوقات کے تعین میں احادیث آئی ہیں جن کو ہر عالم، جاہل، بچہ، بوڑھا، مرد اور عورت سب جانتے ہیں۔ اور جنھیں ہم نے "الروضة الندية شرح الدرر البهية" میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

آلات وساعات پر اوقاتِ نماز اور افطارِ روزہ کے لیے اعتماد ٹھہرانا بدعت ہے۔ ❶

۵۔ پانچویں ثلاثی حدیث:

"ذكره البخاري بطريق ثان خلاف الأربعة المتقدمة في "باب إذا نوى بالنهار صوما" من "كتاب الصوم" الذي ذكر في الربع الأول هكذا حدثنا أبو عاصم عن يزيد بن أبي عبيد عن سلمة بن الأكوع أن النبي ﷺ بعث رجلا ينادي في الناس يوم عاشوراء: ((إن من أكل فليتم أو فليصم ومن لم يأكل فلا يأكل.))

''امام بخاری نے اس حدیث کی سند کو پہلی چار حدیثوں کی سند کے علاوہ دوسری سند سے ربع اوّل، ''کتاب الصوم''، ''باب: جب دن کے وقت کوئی شخص روزے کی نیت کرے'' میں ذکر کیا ہے۔ (امام بخاری کہتے ہیں:) حدیث بیان کی ہمیں ابوعاصم نے، ابوعاصم نے یزید بن ابی عبید سے، انھوں نے سلمہ بن اکوع سے روایت کی، انھوں نے کہا: نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو عاشوراء کے دن لوگوں میں اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ جس نے کچھ کھایا ہوا سے چاہیے کہ وہ اب کچھ نہ کھائے۔ (باقی صفحہ نمبر ۲۷ پر)

❶ نواب صاحب رحمہ اللہ کا مقصود اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شمس وقمر کی چال کو چھوڑ کر محض آلات جدیدہ پر اعتماد کرنا شروع کردے یا وہ مستقل طور پر ایک ہی وقت مقرر کرلے، خواہ شمس وقمر کی چال اس کے مخالف ہی کیوں نہ ہو تو ایسا شخص بدعتی شمار ہوگا۔ ورنہ آلاتِ جدیدہ اوقات کے تعین میں بڑے ممد اور معاون ثابت ہوئے ہیں اور ان کے استعمال کو کوئی بھی صاحب بصیرت بدعت نہیں کہہ سکتا۔ والله أعلم بالصواب. (ادارہ)

تذکارِ سلف

قسط نمبر ② آخری

خصوصیات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

مولانا مفتی محمد عبید اللہ خاں عفیف حفظہ اللہ

٦: پوری امت کا ثواب:

بہت سے محدثین نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ایک انوکھی فضیلت اور خصوصیت یہ بھی ذکر کی ہے:

ا: ابوطالب محمد بن علی العشاری لکھتے ہیں:

"عن إسرائيل عن أبي أسحاق عن الحارث عن علي بن أبي طالب قال: قال رسول الله ﷺ لأبي بكر: ((يا أبابكر! إن الله أعطاني ثواب من آمن به منذ خلق الله آدم إلى أن تقوم الساعة، وإن الله أعطاك يا أبابكر ثواب من آمن بي منذ بعثني الله إلى أن تقوم الساعة.))" (فضائل الصديق، ص: ٦ طبع مكتبه دينيه سلفيه، ملتان)

''اسرائیل ابواسحاق سے اور وہ حارث سے اور حارث حضرت علی سے روایت کرتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کو فرمایا: ''اے ابوبکر! آدم سے لے کر قیامت تک جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں گے ان کے ثواب کے برابر ثواب مجھ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اور میری بعثت سے لے کر قیامت تک جو لوگ مجھ پر ایمان لائیں گے ان سب کے مجموعی ثواب کے برابر ثواب اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا فرما دیا۔''

۲: محدث خطیب بغدادی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:

"عن أبي إسحاق عن الحارث عن علي بن أبي طالب قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول لأبي بكر: ((يا أبا بكر! إن الله أعطاني ثواب من آمن بي منذ خلق آدم إلى أن تقوم الساعة وإن الله أعطاك يا أبابكر ثواب من آمن بي منذ بعثني الله إلى أن تقوم الساعة.))"

(تاريخ بغداد: ٥/٤٢٣)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ابوبکر کو فرما رہے تھے کہ آدم سے لے کر قیامت تک جتنے لوگ میری نبوت پر ایمان لائیں گے ان سب کا ثواب مجھ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اور میری بعثت سے لے کر قیامت تک جو لوگ میری نبوت پر ایمان لائیں گے ان سب کا ثواب اللہ تعالیٰ نے اے ابوبکر تجھے مرحمت فرمایا ہے۔'' سبحان اللہ

٧: امت کے مہربان والد:

حضرت ابوبکر وعمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اپنی بے پناہ فطری خوبیوں، انتظامی صلاحیتوں، سیاسی فراستوں، عدل گستریوں اور ملت اسلامیہ کے حق میں اپنی خیر اندیشیوں کو بروئے کار لاکر مضبوط بنیادوں پر ملت اسلامیہ کی اس طرح شیرازہ بندی کی کہ ایک طرف اخلاق کی اعلیٰ اقدار پر مبنی انسانی حقوق کا پاس دار نہایت پاکیزہ اور مثالی معاشرہ وجود میں آ گیا۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کی چھوڑی ہوئی جزیرہ نما عرب تک محدود اسلامی ریاست کو اس قدر وسعت اور استحکام سے ہمکنار کر دیا کہ اس کا جغرافیائی حدود نہ صرف براعظم ایشیا اور براعظم افریقہ کے کناروں تک پھیلتی چلی گئیں بلکہ اس دور کی سب سے بڑی حکومتوں روم اور فارس کے تاج وتخت کو غازیانِ اسلام کے گھوڑوں نے اپنے پاؤں تلے روند ڈالا۔ کسریٰ اور قیصر کے شاہی القاب مٹا

ڈالے اور ان کے خزانے فی سبیل اللہ خرچ ہونے لگے۔ اور یوں رسول اللہ ﷺ کی یہ پیش گوئی نیر تاباں کی طرح جھلملانے لگی:

((إذا هلك كسرى فلا كسرى بعده، وإذا هلك قيصر فلا قيصر بعده، والذي نفس محمد بيده لتنفقن كنوزهما في سبيل الله.))

(صحيح بخاري: ١/ ٥١١)

''جب کسریٰ ہلاک ہوجائے گا تو اس کے بعد کوئی دوسرا کسریٰ پیدا نہ ہوگا، اور جب قیصر ہلاک ہوجائے گا تو اس کے بعد کوئی دوسرا قیصر پیدا نہ ہوگا اور مجھے اسی اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم کسریٰ اور قیصر کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کروگے۔''

تیرہ برس کی قلیل مدت میں ہمہ جہتی اور محیر العقول ترقی کی چکا چوند نے اسلام دشمنوں کی آنکھوں کو خیرہ کرکے رکھ دیا، صدق رسول اللہ ﷺ۔

شیخین کی ان سیاسی مساعی جمیلہ اور جہادی جگر کاوشیوں کی بہ دولت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سلف صالحین ان دونوں عبقری شخصیتوں کو اہل اسلام کے والدین مانتے تھے، امام سیوطی رقم طراز ہیں:

"قال أبو أسامة: أتدرون من أبوبكر وعمر؟ هما أبو الإسلام وأمه." (تاريخ الخلفاء، ص: ٩٦)

''ابواسامہ کہتے ہیں: لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ ابوبکر اور عمر کا اسلام کے ساتھ رشتہ کیا ہے؟ وہ دونوں اسلام کے والدین ہیں۔''

امام وکیع بن جراح فرمایا کرتے تھے:

"لولا أبوبكر الصديق لذهب الإسلام."

(فضائل الصحابة: ١/ ١٣٨)

''اگر ابوبکر نہ ہوتے تو اسلام مٹ جاتا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی میت پر کھڑے ہوکر آپ کی سیرت مرضیہ پر مشتمل طویل ترین خراج تحسین پیش فرمایا جسے ہم صدیق اکبر کی سیرت میں مکمل نقل کریں گے، ان شاء اللہ۔ اس خراج تحسین میں آپ نے حضرت صدیق اکبر کو ایمان والوں کا مہربان والد تسلیم فرمایا ہے، فرمایا:

"وكنت للمؤمنين أبا رحيما صارو عيالا فحملت أثقال ما ضعفوا ورعيت ما أهملوا وحفظت ما أضاعوا." (إزالة الخفاء: ١/ ٦٩)

''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ مومنوں کے حق میں والد مہربان تھے اور وہ آپ کے عیال (اولاد) بن چکے تھے۔ آپ نے اقامتِ دین کے وہ بوجھ اٹھا لیے جنھیں اٹھانے میں وہ کمزور واقع ہو رہے تھے اور ان احکامِ شرعیہ کا لحاظ قائم رکھا جن کی طرف وہ کوئی توجہ نہ دے رہے تھے اور ان معاملات کی حفاظت فرمائی جن کو وہ ضائع کر رہے تھے۔''

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح والد کی وفات کے بعد یتیم اولاد زندگی کے گوناگوں مسائل ومصائب کا شکار ہوجاتی ہے، بالکل اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ متعدد فتنوں نے امت کو حیرت وپریشانی میں ڈال دیا تھا، جیسا کہ پانچویں خصوصیت میں جناب قیس خارفی کی روایت میں ذکر ہوچکا ہے جسے ہم یہاں دوبارہ ذکر کردیتے ہیں۔

قیس خارفی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہوئے، پھر دوسرے مقام پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ ان کے بعد تیسرے نمبر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہوئے۔ ان کی شہادت کے بعد گوناگوں فتنوں نے حیرانی وپریشانی سے دوچار کردیا۔ بہ الفاظ دیگر ہمیں فتنوں نے دبوچ لیا۔

(فضائل الصحابة: ١/ ٢١٤)

٨: ثاني اثنين (دو میں سے دوسرا):

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آٹھویں خصوصیت "ثاني اثنين" بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ [التوبة: ٤٠]

''اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو بلاشبہ اللہ نے اس کی مدد کی، جب اسے ان لوگوں نے نکال دیا جنھوں نے کفر کیا، جب کہ وہ دو میں دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

یہاں بہ اتفاق مفسرین ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں اور اکثر مناصبِ دینیہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دوسرے درجے پر فائز ہیں۔ سب سے پہلے مسلمان ہوئے اور لوگوں کو دعوت الی اللہ دی جس پر متعدد جلیل القدر صحابہ مشرف بہ اسلام ہوئے، غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ نہیں ہوئے، مرضِ موت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام کی حیثیت سے مصلے پر کھڑے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوئے۔ اس طرح اوّل و آخر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ''ثاني اثنين'' ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اور شیعہ حضرات بھی ایسا ہی لکھتے ہیں:

۱: ابوعلی فضل بن حسن طبرسی مشہور شیعی مفسر اس آیت کی تفسیر میں ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾ سے مراد ابوبکر ہی کے نام تصریح کرتے ہیں (ثانی اثنین) یعنی

انه كان هو وأبوبكر (اذهما فى الغار) ليس معهما ثالث أي هو أحد اثنين (اذ يقول لصاحبه) أي يقول الرسول (ابوبكر).

(تفسير مجمع البيان: ٣/ ٣١)

یعنی ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ہیں، اور ﴿إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ غار میں کوئی تیسرا شخص نہ تھا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے، اور ﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ﴾ میں ﴿لِصَاحِبِهِ﴾ سے ابوبکر ہی مراد ہیں۔''

۲: ملا فتح اللہ کاشانی شیعی مفسر ارقام فرماتے ہیں:

''قولہ تعالیٰ: ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾ حالست از ضمیر ﴿أَخْرَجَهُ﴾، یعنی اخراج رسول کردند دوئیم دو بود، یعنی باوا نبود مگر یک کسی کہ آں ابوبکر است۔ وقولہ: ﴿إِذْ هُمَا﴾ بدل ثانی یا ظرف۔ ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾ یعنی نصرت داد پیغمبر را وقتی کہ اوا ابوبکر ﴿لِصَاحِبِهِ﴾ مر یار خود۔''

(تفسير منهج الصادقين: ٤/ ٢٦٠ و ٢٦١)

❀...... امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

"ثنا همام قال: أنا ثابت عن أنس أن أبا بكر حدثه قال: قلت للنبي ﷺ وهو في الغار وقال مرة: ونحن في الغار: لو أن أحدهم نظر إلى قدميه لأبصرنا تحت قدميه، قال: فقال: ((يا أبابكر! ما ظنك باثنين الله ثالثها.))

(فضائل الصحابة: ١/ ١٧٧، ٢٦٣)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تھے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا: اگر ان میں سے کسی نے نیچے اپنے قدموں کی طرف دیکھ لیا تو ہم انھیں نظر آجائیں گے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: اے ابوبکر! تیرا ان دو کے بارے میں کیسا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ خود ہے۔''

❀...... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما خود بیان کرتے ہیں کہ چونکہ ہم کو بیعت خلافت کی مجلس میں بلایا نہیں گیا اور اس سے ہمارا استحقاق مجروح ہوا ہے مگر ہمارا یہ اختلاف رائے اور احتجاج عارضی ہے۔ پھر ابوبکر کی خلافت کو تسلیم کرتے ہوئے فرمایا:

"إنا نرى أن أبا بكر أحق الناس بها، إنه لصاحب الغار و "ثاني اثنين" وإنا لنعرفه وشرفه." (البداية والنهاية: ٣/ ٣٠٦)

''بلاشبہ ہم ابوبکر کو (خلافت کے لیے) سب لوگوں سے زیادہ حق دار جانتے ہیں کیونکہ وہ صاحبِ غار بھی ہیں اور "ثاني اثنين" کے معزز لقب کے ساتھ ملقب ہیں۔ ہم ان کی شرافت اور بزرگی کے دل وجان سے قائل ہیں۔''

❀......حضرت شاہ ولی اللہ محدث ارقام فرماتے ہیں:

"فأقبل علي بن أبي طالب مسرعا باكيا مسترجعا حتى قام على باب البيت. فسماك الله فى تنزيله صديقا فقال والذي جآء بالصدق وصدق به، الذي جآء بالصدق محمد ﷺ وصدق به أبوبكر واسيته حين بخلوا وقمت عند المكاره حين عنه قعدوا وصحبته فى الشدة وأكرم الصحابة و ثاني اثنين." (إزالة الخفاء، ص: ٦٩، الاستيعاب: ١/ ١٨٩، الرياض النضرة، ص: ١٨٣، ١٨٤، تاريخ اكبر شاه نجيب آبادى: ١/ ٢٩٩، اسد الغابة: ١/ ٢٣٨)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق کی وفات کی خبر سن کر جلدی جلدی روتے ہوئے اور انا للہ پڑھتے ہوئے تشریف لائے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بے شمار محاسن، فضائل اور سبقتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: آپ وہ عبقری شخصیت ہیں جس کو قرآنِ مجید میں صدیق کہا گیا۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بے مثال مالی (۴۰ ہزار اشرفی خرچ کی) تعاون فرمایا اور آپ رضی اللہ عنہ نے مصائب میں آپ ﷺ کی حفاظت کا حق ادا کر دیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے شدائد اور سختیوں میں بھی حضور ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا اور آپ رضی اللہ عنہ دوسرے تمام صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے بزرگ تر اور "ثاني اثنين" آپ کا لقب ہے۔''

❀......حضرت حسان بن ثابت کا خراج عقیدت: امام زہری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسان بن ثابت سے فرمایا کہ کیا تم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مدح میں کچھ کہا ہے؟ انھوں نے: کہا جی ہاں۔ فرمایا: ''کہو میں سنوں گا۔'' انھوں نے کہا:

وثـانـي اثنين في الغار المنيف وقد
طـاف الـعـدو بـه إذ صعد الجبلا

''وہ (صدیق) غار میں دو کے دوسرے تھے حالانکہ وہ جب غار میں اترے تو دشمن ان کے اردگرد پھرتے رہے (مگر ان کو دیکھ نہ سکے۔)''

وكـان حـب رسـول الله قد علموا
مـن الـبـرية لـم يـعـدل بـه رجلا

''وہ رسول اللہ ﷺ کے ایسے محبّ ومحبوب تھے کہ سب لوگ جانتے ہیں کہ مخلوق میں کوئی شخص ان کے برابر نہیں۔''

(طبقات ابن سعد: ۲۰/۳)

❀......امام سعید بن میسّب رحمہ اللہ (رئیس التابعین) تصریح فرماتے ہیں:

"كان أبوبكر من النبي ﷺ مكان الوزير فكان يشاوره في جميع أموره وكان ثانيه في الإسلام وثانيه في الغار وثانيه في العريش يوم بدر وثانيه في القبر، ولم يكن النبي ﷺ يقدم عليه أحدا." (تاريخ الخلفاء، ص: ٥٢)

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے وزیر تھے اور آپ ﷺ اپنے ہر کام میں ان سے مشورہ لیتے تھے۔ اسلام قبول کرنے میں آپ "ثـانـي اثنين" تھے، غار میں بھی ثانی اثنین تھے اور عریش بدر میں بھی آپ ﷺ کے ثانی تھے اور اسی طرح آپ قبر میں "ثانی اثنین" ہیں۔ نبی علیہ السلام ابوبکر پر کسی کو مقدم نہیں سمجھتے تھے۔''

آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصریحات کے بعد اتمام حجت کے طور پر "نهج البلاغة" کے مشہور شارح کا قول زیب قرطاس کیا جاتا ہے:

علامہ ابن ابی الحدید ارقام فرماتے ہیں:

"قال علي والزبير: ما غصبنا إلا في المشورة

وإنا لنرى أحق الناس بها ، إنه صاحب الغار وإنا لنعرف له سنه ...... وأمره رسول الله ﷺ بالصلاة وهو حي .'' (شرح نهج البلاغة لابن أبي الحديد: ١/ ٢٥٤ بحواله رحمآء بينهم: ١/ ٢١٥)

''حضرت علی اور حضرت زبیر بن عوام دونوں نے کہا کہ ہماری یہ عارضی شکر رنجی اور وقتی رنجیدگی صرف مشورے میں شامل نہ کرنے کی وجہ سے ہوئی، (حالانکہ) ہم ابوبکر کو دوسرے لوگوں سے خلافت کا زیادہ حق دار جانتے ہیں اور اور غار کی صحبت کی فضیلت ان کو حاصل ہے، یعنی ''ثانی اثنین'' کا لقب رکھتے ہیں۔ ہم ان کی بزرگی کے شرح صدر سے معترف ہیں ...... اور نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنی حیات مبارک میں مسلمانوں کی نماز کا امام مقرر فرمایا تھا۔''

ان مختلف حوالہ جات سے یہ واضح ہوا کہ ''ثانی اثنین'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایسی متفق علیہ خصوصیت ہے کہ کوئی دوسرا صحابی آپ کی اس خصوصیت میں ہرگز ہرگز شریک نہیں۔

رفاقتِ رسول کا منکر کافر ہے:

دیگر خصوصیات کے علاوہ قرآنِ مجید میں ابوبکر کی سب سے اہم خصوصیت وہ ہے جو غارِ ثور میں رفاقت سے متعلق ہے، فرمایا:

﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ [التوبة: ٤٠]

''غارِ ثور میں دو جو تھے ان کا دوسرا (ابوبکر تھا۔)''

''یہ آیت مبارکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت اور فضیلت مآبی کی اس قدر اہم اور مستند دستاویز ہے کہ علمائے اسلام نے فرمایا ہے کہ چونکہ ابوبکر کی معیت و رفاقتِ نبوی قرآن میں منصوص ہے، اس بنا پر اس کا منکر کافر ہے۔ یہ خصوصیت صرف اور صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کا طرۂ امتیاز ہے، کسی دوسرے صحابی کو یہ اعزاز حاصل نہیں۔''

(صدیق اکبر، ص:۳۲)

۹: حساب سے مستثنیٰ:

حضرت صدیق اکبر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حساب کتاب معاف فرما رکھا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مرفوعاً بیان فرماتی ہیں:

((الناس كلهم يحاسبون إلا أبابكر .))

(تاريخ الخلفاء، ص: ٥١)

''(حساب کے دن) سب کا حساب ہوگا مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حساب نہیں لیا جائے گا۔''

۱۰: ثالث ثلاثة:

جب رسول اللہ ﷺ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی معیت میں سفر ہجرت کے دوران غارِ ثور میں فروکش ہوئے تو ادھر صبح کے وقت قریش کو آپ ﷺ کے بچ نکلنے کی اطلاع ملی، قریش کو اپنے منصوبے (قتل رسول ﷺ) کی ناکامی کا بے حد افسوس ہوا اور آپ ﷺ کے تعاقب میں غارِ ثور کے دہانے پر پہنچ گئے۔ ان کی آہٹ کو پا کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بڑی تشویش اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یہ لوگ اگر اپنے قدموں کی طرف دیکھیں تو انھیں ہم نظر آ جائیں گے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((ما ظنك يا أبابكر باثنين الله ثالثهما .))

(صحيح بخاري: ١/ ٥١٦)

''اے ابوبکر! ان دو کے بارے میں تمھارا کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہو۔''

حضرت ابوبکر صدیق کی گیارھویں خصوصیت ''ثالث ثلاثة'' ہے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد البصری (متوفی ۲۳۰) ارقام فرماتے ہیں:

''ابوعون کہتے ہیں کہ میں نے محمد سے کہا ''ثالث ثلاثة'' (تین میں کے تیسرے) کا کیا معنی ہے؟ انھوں نے کہا کہ تم یہ آیت نہیں دیکھتے ﴿إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ ''جب وہ دونوں، یعنی رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق غار میں تھے جب کہ وہ (رسول اللہ ﷺ) اپنے صاحب (ساتھی صدیق) سے کہہ رہے تھے کہ تم غمگین نہ ہو کیونکہ اللہ ہمارے ساتھ

ہے۔'' جب رسول اللہ اور صدیق کے ساتھ اللہ تھا تو گویا غار میں تین تھے اور ان تین میں سے تیسرے صدیق تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۲٦، وفضائل الصحابة: ۱/ ٦٤)

۱۱: سیرتِ نبوی کا پرتَو (عکس):

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کی سیرت اور سیاست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسیاست سے پوری طرح ہم آہنگ تھی۔ بہ الفاظ دیگر ابوبکر کی سیرت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی پرتَو تھی، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حسبِ ذیل روایات اس خصوصیت کو بیان کر رہی ہیں:

۱: "عن عبد خير قال: قام علي رضی اللہ عنہ على المنبر فقال: قبض رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم واستخلف أبوبكر رضی اللہ عنہ فعمل بعمله وسار بسيرته حتى قبضه الله عزوجل، ثم استخلف عمر فعمل بعملهما وسار بسيرتهما حتى قبضه الله عزوجل على ذلك." (مسند أحمد: ۱/ ۱۲۸)

''عبد خیر سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھ کر فرمانے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج کے مطابق سیاست کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے موافق عمل پیرا ہوئے حتی کہ انھیں اللہ نے فوت کر دیا۔ ان کی وفات کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طریقۂ عمل کو جاری رکھا اور ان دونوں کی سیرت پر گامزن رہے۔'' (مسند أحمد: ۱/ ۱۲۸)

۲: "عن علي أنه قال يوم الجمل: إن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لم يعهد إلينا عهدا نأخذ به في إمارة ولكنه شيء رأيناه من قبل أنفسنا، ثم استخلف أبوبكر رحمة الله على أبي بكر فأقام واستقام، ثم استخلف عمر رحمة الله على عمر فأقام واستقام حتى ضرب الدين بجرانه." (أخرجه أحمد، إزالة الخفاء: ۱/ ٦٧)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل کے روز فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسی کوئی وصیت اور ہدایت نہیں فرمائی جس پر ہم امارت کے معاملے میں عمل پیرا ہوتے۔ یہ ایک ایسا انتخاب ہے جسے ہم نے خود اختیار کیا، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب کیے گئے۔ اللہ ابوبکر پر اپنی رحمت فرمائے کہ انھوں نے نہ صرف اقامت دین کا فریضہ بہ احسن وجوہ سرانجام دیا بلکہ خود بھی اپنے اس کارنامے پر عمر بھر قائم رہے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے۔ اللہ تعالیٰ عمر پر اپنی رحمت نچھاور کرے، وہ اقامت دین کے فریضے سے بہ احسن وجوہ عہدہ برآ ہوئے اور عمر بھر اس پر قائم رہے۔''

۱۲: ادا شناسی وعادات میں ہم آہنگی:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بچپن کی رفاقت سے لے کر بعثتِ نبوی تک اور بعثت سے لے کر سفرِ ہجرت سمیت آخری لمحۂ حیات نبوی تک جلوت میں، خلوت میں، سفر میں، حضر میں، رزم اور بزم میں، ہر جگہ اور ہر موقع پر برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے تھے۔ اس قرب واِتصال، ہر وقت کی معیت ورفاقت اور قدرت کی طرف سے ودیعت فرمودہ استعداد وصلاحیت کے باعث جس درجے کے ادا شناس اور مزاج دانِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہو سکتے تھے کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ واقعات کا تتبع کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج اور اندازِ طبیعت میں بڑی موافقت تھی۔ عادات وخصائل کے اعتبار سے ایک دوسرے کے جتنے قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے، کوئی اور نہیں تھا۔ یہ ذہن میں رہے کہ یہاں بحث صرف مزاج کی ہم رنگی سے ہے نہ کہ شریعت کے اصل احکام ومسائل۔ غرض کہ اس قرب واتصال ہی کا نتیجہ ہے کہ جب پہلی وحی کی وجہ سے پریشان ہو کر رسول

اللہ ﷺ نے امّ المومنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اپنی قلبی کیفیت بیان فرمائی تو انھوں نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

"كلا والله! ما يخزيك الله أبدا، إنك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقري الضيف وتعين على نوائب الحق."

(صحيح بخاري: ١/ ٣)

''اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز پریشان اور غمگین نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کے خوگر ہیں، اپاہجوں کا سہارا ہیں، غریبوں کی مالی امداد کرتے ہیں، مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے معاملات وحوادث میں آپ دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔''

ابن دغنہ کا تبصرہ:

یہ پانچوں اوصاف وعادات ذہن میں اتار کر حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنہ کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے:

''جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آزادی کے ساتھ عبادت الٰہی اور دینِ حق کی تبلیغ کی غرض سے حبشہ کی جانب ہجرت کرتے ہوئے "برك الغماد" (جو مکہ سے یمن کی جانب پانچ دن کی مسافت پر واقع ہے) پہنچے تو وہاں قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوگئی۔ ابن الدغنہ نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے تو اب ارادہ ہے کہ سیاحت کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔''

ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر کو اپنی پناہ میں لیتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کے جو اوصاف وخصائل اور عادات وعواطف بیان کیے ہیں وہ بعینہ وہی ہیں جو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے نکلے تھے، لیجیے ملاحظہ فرمائیے:

"فإن مثلك يا أبابكر لا يخرج ولا يخرج، إنك تكسب المعدوم وتصل الرحم وتحمل الكلّ وتقري الضيف وتعين على نوائب الحق، فأنا لك جار ارجع واعبد ربك ببلدك." (صحيح بخاري: ١/ ٥٥١، ٥٥٢)

''آپ جیسے کریم النفس کو وطن سے از خود نہ نکلنا چاہیے اور نہ نکالا جانا چاہیے۔ آپ غریبوں کی مالی مدد کرتے ہیں، صلہ رحمی کے خوگر، ناتوانوں کے بوجھ اٹھانے والے، مہمان نواز اور حوادثِ حق میں ممد اور معاون ہیں۔ میں آپ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ واپس چلیے اور اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کیجیے۔''

بہ نظرِ غائر دیکھیے کہ سردار ابن الدغنہ نے ابوبکر صدیق کو ہو بہو انھیں پانچ خوبیوں کا مرقع قرار دیا ہے جن کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو پیکر اور خوگر بتلایا ہے۔ گویا یک جاں دو قالب کے مصداق ہیں۔ ونعم ما قال السعدي:

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور سردار ابن الدغنہ کے متفقہ بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی عمر بھر کی صحبت ومعیت اور تعلیم وتربیت کے سانچے میں کچھ اس طرح ڈھل گئے تھے کہ فکر وذہن اور مزاج وطبیعت تک میں یکسانیت اور مکمل مماثلت پیدا ہوگئی تھی اور اس بنا پر اَدا شناسیِ نبوت میں کوئی دوسرا صحابی ان کا شریک وسہیم ہرگز نہیں۔

من تُو شدم تُو من شدی من جاں شدم تُو تن شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اعتراض:

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کفارِ قریش کا ظلم وستم بجائے گھٹنے کے اور بڑھتا دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کو کفارِ قریش کے رحم وکرم پر چھوڑ کر مصائب وشدائد سے بچنے کے لیے ہجرت کے ارادے سے ملکِ حبشہ کی طرف چل نکلے اور محبتِ رسول کے بلند بانگ دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے؟ کیا محبت اسی کا نام ہے؟

جواب:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ سفر مصائب وشدائد سے بچنے کے

لیے نہیں تھا بلکہ آزادی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرنے کی غرض سے تھا، جیسا کہ صحیح بخاری کے الفاظ میں یہ غرض صاف صاف جھلک رہی ہے، الفاظ یہ ہیں:

"فأريد أن أسيح في الأرض وأعبد ربي ."

(صحيح بخاري : ١/ ٥٥٢)

''(میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے تو) اب میں چاہتا ہوں کہ سیاحت کروں اور اپنے رب کی عبادت میں ہمہ تن مشغول رہوں۔''

مزید یہ کہ آپ نے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دے رکھا تھا۔ علامہ سعید احمد اکبر آبادی لکھتے ہیں:

''یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہجرت کا یہ حکم اس لیے نہیں تھا کہ سرفروشانِ اسلام میں قریش کے مظالم سہنے کی طاقت نہیں رہی تھی بلکہ اس میں ایک حکمت تو یہ تھی کہ اس بہانے اسلام کی دعوت دوسرے ملکوں میں پھیلے گی اور غالبًا اسی وجہ سے مہاجرین کی فہرست میں ان نام وَرانِ قریش کے نام نظر آتے ہیں جو اپنی شخصیت، طرزِ گفتگو اور عقل وفہم سے اسلام کی تبلیغ کا حق ادا کرسکتے تھے (جیسے حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عثمان بن عفان وغیرہما رضی اللہ عنہم)

دوسری حکمت یہ تھی کہ (اللہ تعالیٰ نے) آنحضرت ﷺ کو یہ سبق دینا تھا کہ مسلمانوں پر اگر کہیں اس قدر ظلم کیا جائے کہ ان کو اللہ کا نام لینے تک کی اجازت نہ ہو تو پھر بھی مسلمانوں کو وہیں نہ پڑا رہنا چاہیے بلکہ وہاں سے ہجرت کرکے کسی دوسری جگہ اپنی تنظیم کرنی اور قوت بڑھانی چاہیے۔'' (صدیق اکبر، ص:۳۳)

۱۳: غلطی سے محفوظ:

اسی مماثلت اور یگانگت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ اعتماد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پر تھا، ایک دفعہ حضرت ابوبکر کی نسبت ارشاد فرمایا:

((إن الله يكره فوق سمائه أن يخطأ أبوبكر .))

(الإصابة لابن حجر : ١/ ٨٣٢ بہ حوالہ صدیق اکبر، ص: ١٣٧)

''اللہ تعالیٰ آسمان پر اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ ابوبکر خطا کریں۔'' سبحان اللہ

۱۴: رمز شناسِ کلام رسالت اور محرم اَسرارِ نبوت:

فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ تشریف فرما ہوکر رسول اللہ ﷺ نے پُراسرار خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں مضمر اَسرار ورموز کا سوائے ابوبکر صدیق کے کسی اور کو ادراک نہ ہوسکا۔ وہ خطبہ یہ ہے:

"عن أبي سعيد الخدري قال: خطب رسول الله الناس وقال: ((إن الله خير عبداً بين الدنيا وبين ما عنده فاختار ذلك العبد ما عند الله .)) قال: فبكى أبوبكر فعجبنا لبكائه أن يخبر رسول الله ﷺ عن عبد خُيّر ، فكان رسول الله هو المخير وكان أبوبكر أعلمنا ."

(صحيح بخاري : ١/ ٥١٦)

یعنی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں خطبہ دیا جس میں یہ ارشاد فرمایا: ''اللہ نے ایک بندے کو دنیا میں اور اس چیز میں جو اللہ کے پاس ہے اختیار دیا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو پسند کرلے۔ اس بندے نے ما عنداللہ، یعنی قرب الٰہی کو اختیار کرلیا۔'' حضرت ابوبکر یہ ارشاد سنتے ہی رونے لگ گئے۔ ہم کو سخت تعجب ہوا کہ اس میں رونے کی کون سی بات ہے۔ چونکہ ابوبکر صدیق اَسرارِ نبوت کے محرم اور کلامِ رسالت کے رمز شناس تھے، وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ بندہ خود رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات ہے اور آپ ﷺ کے اس بیان میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپ ﷺ ہمیں جلدی ہی داغِ مفارقت دینے والے ہیں۔ یہ تھا وہ راز جس کے ادراک سے دوسرے تمام صحابہ قاصر رہے۔ (باقی صفحہ نمبر پر ۲۷ ملاحظہ کریں)

سیرت صحابیات

حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا

(ام عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم)

ڈاکٹر زاہدہ شبنم، اسسٹنٹ پروفیسر لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

پکار و منادی میں آنے والے نام، خواہ وہ لقب ہوں، نام ہوں یا کنیتیں، صاحبِ نام پر اثرات ڈالتے ہیں۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا پر بھی ان کی کنیت کا بہت اثر تھا۔ اللہ نے انھیں عزت و شرافت اور فضیلت خوب دی۔

آپ رضی اللہ عنہا کا نام لبابہ بنت حارث بن حزن الہذلیۃ تھا۔ آپ بنی ہلال بن عامر بن صعصعۃ سے تعلق و نسبت رکھتی تھیں۔ بڑی ہوئیں تو عمِ رسول اللہ ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیاہ دی گئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ کی پانچ بیٹیاں عبدالمطلب کی بہوبنیں:

۱: حضرت زینب بنت خزیمہ: محمد رسول اللہ ﷺ کی جو عبدالمطلب کے پوتے تھے۔

۲: حضرت میمونہ بنت حارث: محمد رسول اللہ ﷺ کی جو عبدالمطلب کے پوتے تھے۔

۳: حضرت اسماء بنت عمیس: زوجۂ جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (عبدالمطلب کے پوتے)

۴: حضرت سلمیٰ بنت عمیس: زوجہ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ (عبدالمطلب کے بیٹے)

۵: حضرت ام الفضل: زوجہ عباس رضی اللہ عنہ (عبدالمطلب کے بیٹے)

حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کی والدہ ہند جو خولہ بنت عوف کے نام سے مشہور تھیں۔ (طبقات: ۸/ ۲۱۷) بعض نے کہا کہ یہ چھ بہنیں تھیں۔ (الإصابة: ۸/ ۴۵۰) چھٹی لبابہ صغریٰ تھیں جو خالد بن ولید کی والدہ تھیں اور قریشی سردار ولید بن مغیرہ کے ساتھ ان کی شادی ہوئی تھی۔ (طبقات: ۸/ ۲۱۸) وہ اس کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الأخوات الأربع مؤمنات: أم الفضل، و ميمونة، وأسماء، وسلمٰى رضي الله عنهن.)) (الإصابة: ۸/ ۴۵۰)

''چاروں بہنیں مومن عورتیں ہیں: ام الفضل، میمونہ، اسماء اور سلمٰی رضی اللہ عنہن۔''

چونکہ زینب رضی اللہ عنہا فوت ہو چکی تھیں اور لبابہ صغریٰ کے اسلام اور صحبت پر شک ہے، البتہ حافظ ابن حجر نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ لبابہ صغریٰ خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی وفات پر زندہ تھیں اور انھوں نے ان کی وفات پر جو شعر کہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی سنے جب کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حرمین شریفین میں کوئی کافر نہیں رہ گیا تھا تو لبابہ صغری کے اسلام اور صحبت کے نہ ہونے پر کیا دلیل ہوسکتی ہے۔ (الإصابة: ۸/ ۳۰۱) بہرحال اتنا تو طے ہے کہ اوائل میں مسلمان نہیں ہوئیں، ممکن ہے فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائی ہوں۔

ابن عبدالبر نے ان کی کل ۹ بہنیں بتائی ہیں جن میں سے چھ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے سگی تھیں، جن میں ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں اور تین صرف ماں کی طرف سے، اس طرح ان کی والدہ کی نو بیٹیاں ہوئیں۔ (الاستیعاب: ۴/ ۱۹۰۸) ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے میمونہ اور اُم الفضل اور دیگر بہنوں رضی اللہ عنہن کا تذکرہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((إن الأخوات المؤمنات.)) (طبقات: ۸/ ۲۱۷)

ان کی والدہ کے داماد بہترین افراد بنے۔ مذکورہ بالا ذی حشمت

افراد کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان کی دامادی میں آئے۔

حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کے فضائل میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا قبولِ اسلام میں ''الاولات السابقات'' میں سے ہیں بلکہ سیرت نگاروں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد پہلی مومن عورت کے طور پر انھی کا نام لکھا ہے۔(طبقات: ۸/ ۲۱۷)

آپ رضی اللہ عنہا مبشرات بالایمان میں سے ہیں، یعنی آپ رضی اللہ عنہا کو دنیا میں زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ''مؤمنة'' ہونے کی بشارت دی گئی۔(طبقات: ۸/ ۲۱۷)

آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت وعقیدت رکھتی تھیں اور جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم محبت کرتے، ام الفضل رضی اللہ عنہا کا رویہ اس سے بھی اسی انداز کا ہو جاتا، چنانچہ حضرت حسن یا حسین رضی اللہ عنہم کی رضاعت بھی آپ رضی اللہ عنہا نے نہایت محبت سے کروائی۔(طبقات: ۸/ ۲۱۸)

حضرت لبابہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ علیہ السلام اُن کو چچی سے بڑھ کر احترام اور اعزاز بخشتے، لہٰذا آیاتِ حجاب کے نزول کے بعد بھی ان کو ملنے جاتے اور ان کے گھر قیلولہ فرماتے۔

(طبقات: ۸/ ۲۱۸)

دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے بہت محبت تھی اور وہی محبت ان کے خاندان میں منتقل ہوگئی۔

حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کے چھ بیٹے تھے: عبداللہ، عبیداللہ، معبد، قثم، فضل اور عبدالرحمٰن۔ اور ایک بیٹی تھی ام حبیب رضی اللہ عنہا: آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں وفات پائی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

حضرت لبابہ کبریٰ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا بے حد پسند کرتی تھیں، لہٰذا آپ رضی اللہ عنہا زندگی بھر پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتی رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت کرتی تھیں، چنانچہ مرض الموت میں نہایت رنجیدہ تھیں، ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیمار پُرسی کے لیے آئیں تو فرطِ غم سے رونے لگ گئیں۔ انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھتے مرض سے خدشات محسوس ہونے لگ گئے تھے۔

(مسند أحمد: ٦/ ٣٧٢، رقم الحديث: ٢٦٩٣٤)

آپ رضی اللہ عنہا نہایت علم وفضل اور بہت سمجھ دار اور دور اندیش تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کو معاملہ سلجھانا خوب آتا تھا۔ عرفہ کے روز لوگ شک کر رہے تھے، بعض نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے ہیں اور بعض نے کہا کہ روزے سے نہیں ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں۔ حقیقتِ حال معلوم کرنے کا بہترین حل تلاش کیا، آپ رضی اللہ عنہا نے دودھ کا پیالہ بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلند جگہ پر تھے اور وہیں پر نوش فرمایا۔ سب لوگ دیکھ رہے تھے، لہٰذا سب کا شک دور ہوگیا۔

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ١٦٥٨)

آپ رضی اللہ عنہا سے تیس احادیث مروی ہیں جو کتبِ حدیث میں موجود ہیں اور بہت سے اہم احکام میں کلیدی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا براہِ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں جب کہ آپ رضی اللہ عنہا کے تلامذہ میں عظیم محدثین کے نام نظر آتے ہیں جن میں آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور تمام غلام، عمیر بن حارث اور عظیم محدث صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے علاوہ قابوس بن ابی المخارق، عبداللہ بن حارث بن نوفل اور ابن عباس کے مولی کریب شامل ہیں۔(تهذيب التهذيب: ٦/ ٦١٤)

مرویات سے مستفاد نکات:

آپ رضی اللہ عنہا کی مرویات تیس (۳۰) کی تعداد میں ہیں جو درج ذیل نکات پر مشتمل ہیں:

۱: دودھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ مشروب تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ طور ہدیہ ملنے پر واپس نہیں فرماتے تھے۔ گویا پسندیدہ چیز ہدیہ میں ملے تو شکریہ کے ساتھ قبول کر لینی چاہیے، یہی سنت ہے۔

۲: امکانی صورتِ حال کے بارے میں سوچنا اور آئندہ کے حالات کا تجزیہ کرنا جائز ہے۔

۳: مریض کی عیادت کرنا باعثِ ثواب ہے اور یہ مسلمان کا مسلمان پر حق ہے۔

۴: کسی کی تکلیف پر رنجیدہ ہونا اور آنسو کا جاری ہونا فطرت میں سے ہے اور سنت میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔
۵: عرفہ کا روزہ حاجی کے لیے جائز نہیں یا کم از کم مکروہ ہے۔
۶: حاصل کرنے کے لیے ہر پسندیدہ طریقہ اختیار کرنا مستحب ہے۔
۷: شکوک وشبہات میں مبتلا ہو کر افواہ سازی ناجائز ہے، البتہ حقیقتِ واقعی معلوم کر کے ان شکوک کو رفع دفع کرنا مستحب ہے اور بسا اوقات لازم ہے۔
۸: قیل اور قال اور کثرت سوالات کی نہی تنزیہی سے بچنے کے لیے اپنے تجسس کی تسکین کسی اور طریقے سے پسندیدہ ہے۔
۹: تحقیق وبحث کے لیے مفروضات کا تصور جائز ہے۔
۱۰: اچھے کاموں کی نصیحت کرنا سنت اور بسا اوقات واجب ہے۔
۱۱: دعوت وتبلیغ کا کوئی موقع کھونا نہیں چاہیے۔
۱۲: مایوسی گمراہی ہے اور مثبت فکر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔
۱۳: رسول اللہ ﷺ بچوں پر نہایت مشفق ومہربان تھے۔
۱۴: اولاد صغار کو گود میں بٹھانا اور پیٹ پر کھلانا بھی مستحب ہے۔
۱۵: بچے اور بچی کے (ٹھوس غذا کھانے سے پہلے) پیشاب کی نجاست میں فرق ہے۔
۱۶: رؤیائے صالحہ (اچھے خواب) مبشرات میں سے ہیں۔
۱۷: مغرب کی نماز میں رسول اللہ ﷺ نے سورۃ ''المرسلات'' پڑھی۔
۱۸: سر درد کرنے پر کوئی رومال یا پٹی باندھنا درست ہے کیونکہ آپ ﷺ نے باندھی ہوئی تھی۔



امام الحرم المکی سماحۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل رحمہ اللہ جوارِ رحمت میں

امام الحرم المکی سماحۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل رحمہ اللہ ۳ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ بمطابق ۱۷ردسمبر ۲۰۱۲ء بروز پیر قضائے الٰہی سے مکہ مکرمہ میں بعمر ۹۰ برس وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امام الحرم المکی محمد بن عبداللہ السبیل رحمہ اللہ طویل عرصے سے الحرم المکی الشریف کی امامت کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے۔ آپ سب سے سینئر امام الحرم تھے۔ آپ عالم اسلام کی ممتاز اور ہردلعزیز شخصیت تھے۔ اسلام اور اہل اسلام سے ان کی محبت واخوت ایک فطری چیز تھی۔ امام حرم کی وفات سے عالم اسلام کو اور اہل پاکستان ووابستگانِ کتاب وسنت کو شدید صدمہ پہنچا ہے۔ الشیخ رحمہ اللہ پاکستان سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ پاکستان کے سرکاری ونجی دوروں پر بھی تشریف لاتے رہتے تھے۔ ان کا چہرہ ایک خاص نورانیت لیے ہوئے تھا۔ آپ ایک باعمل عالم دین اور متبع سنت انسان تھے۔ آپ کی وفات حسرت آیات پر تمام اہل اسلام جہاں مغموم ہیں وہاں آپ کی مغفرت وبلندیِ درجات کے لیے دعا گو بھی ہیں۔

دارالدعوۃ السّلفیہ لاہور کے اراکین عاملہ، صدر وسرپرست حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ، مولانا ابوبکر صدیق السّلفی، مولانا محمد اسحاق بھٹی، مولانا ارشاد الحق اثری، حافظ عبدالحمید ازہر، حافظ احمد شاکر، ڈاکٹر سعید اقبال قریشی، حافظ محمد اشرف سعید، چوہدری نعیم صادق، شیخ محمد عتیق، حافظ حماد شاکر، ملک عصمت اللہ وکارکنان ہفت روزہ الاعتصام ودارالدعوۃ مولانا عبدالقیوم انصاری، حافظ حماد الحق نعیم، محمد سلیم چنیوٹی، قاری ضیاء اللہ، عبدالمجید ندیم، مولانا عبدالرحمٰن، رضاء اللہ ساجد، الشیخ مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور آپ کے خاندان وسعودی عوام وخواص کے غم میں شریک ہیں۔

اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه وأدخله الجنة الفردوس. آمین۔ (ادارہ)

علوم ومعارف | قسط نمبر ۲

زہد وتصوف اسلام کی نظر میں

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار فریوائی

صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے زہد کا سرچشمہ صحیح عقیدہ، دین اور دینی معاملات کی صحیح سمجھ تھی۔ وہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے کے اواخر تک اسی پاکیزہ عقیدہ اور پاکیزہ طور طریقوں پر تھے۔ پھر سیاسی اور اعتقادی فتنے رونما ہوئے جن کے نتیجے میں اسلام میں متعدد فرقے وجود پذیر ہوئے اور نظامِ سیاست درہم برہم ہوگیا، نیز بعض لوگوں کے نزدیک عبادت میں غلو پیدا ہوگیا۔ لیکن بایں ہمہ وہ لوگ دین کے خیر کثیر پر باقی تھے کیونکہ ان کا زمانہ عہدِ نبوت اور عصرِ صحابہ سے قریب تھا اور قرونِ ثلاثہ جو خیر القرون تھے، اس کے افراد جب اموی حکومت کے اواخر اور عباسی حکومت کے اوائل میں ختم ہوگئے تو حکام میں بہت سے عجمی افراد شامل ہوگئے جن کا مقصد اموی نظام کو برباد کرکے اپنے کھوئے ہوئے مجد وشرف کو واپس لانا تھا۔ اس کے مختلف اسباب تھے، مثلاً: اسلام اور عرب کے خلاف بغض اور عصبیت، قبائلی عصبیت، الحاد اور زندقہ۔ پھر عجمی کتابیں عربی زبان میں منتقل کی گئیں جس کے نتیجے میں تین چیزیں ظہور پذیر ہوئیں:

(۱) رائے، (۲) کلام، (۳) تصوف۔

ان تینوں کا مرکز کوفہ اور بصرہ تھا۔ یہاں ہم تصوف کے اس گوشے پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں جس سے متعلق کتابیں دراصل کوفہ سے ظاہر ہوئیں، پھر ان کتابوں سے بغداد، خراسان اور شام کے لوگ متاثر ہوئے۔ (مجمع فتاویٰ شیخ الاسلام: ۱۰/۳۵۸)

اس تصوف کی ابتدا شرعی زہد، نیکی اور اس احسان سے ہوئی جو قرآن وسنتِ صحیحہ کے دائرے میں تھا اور صحیح عقیدہ اور پاکیزہ طور طریقے سے ماخوذ تھا۔ پھر اس نے مستقل فن کی صورت اختیار کی اور ایسا فلسفیانہ نظریہ بن گیا جس کی بنا ایسے عجمی اصولوں اور نصوصِ شرعیہ کی ایسی فاسد تاویلات پر تھی جنھوں نے اپنے متبعین کو ملحدانہ نظریے تک پہنچا دیا کیونکہ یہ لوگ اپنے عقائد، نظریات اور اعمال میں مستقل ہوگئے اور ان کا لگاؤ اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ صرف نام کا رہ گیا۔

تصوف کا یہ فلسفیانہ نظریہ اسلام سے بیگانہ ہے اور اصلاً اس کا مرجع وہ افکار ومذاہب ہیں جنھیں فارس، روم اور ہندوستان میں سیادت حاصل تھی۔

فلسفیانہ تصوف کے مصادر:

وہ اہم مصادر جو فلسفیانہ تصوف پر اس کی عام صورت میں اثر انداز ہوئے، مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ **قرآن وحدیث**: صوفیوں نے قرآن وحدیث کے نصوص کا استحصال کیا، یعنی اپنے مقصد کے لیے غلط طور پر استعمال کیا اور تاویل وتحریف کے ساتھ ان سے کام لیا، چنانچہ باطنی معنی کا، جو فلسفیانہ اور صوفیانہ تاویل ہے، سہارا لے کر کلمات میں تحریف کر ڈالی، جیسا کہ ابن عربی نے "وحدۃ الوجود" کے نظریے پر بعض آیات سے استناد کیا اور جیسا کہ صوفیاء نے وجہ، نور، قلم، لوح محفوظ، کلمہ اور دیگر کلمات ومصطلحات کی ایسی تفسیر کی جو ان کے افکار وخیالات کے موافق ہو۔

۲۔ **علم کلام**: اس فلسفیانہ تصوف میں علم کلام کے بہت سے نظریے، مثلاً: اشاعرہ، کرامیہ، شیعہ، باطنیہ اور قرامطہ کے نظریات بھی در آئے۔ صوفیاء کے آراء اور شیعہ، باطنیہ، قرامطہ کے افکار میں مشابہت معروف ومشہور چیز ہے۔

۳۔ **افلاطونی نظریات**: ان (صوفیاء) کا نظریہ ''کشف وشہود'' بعینہ جدید افلاطونی نظریہ ہے۔ اسی طرح ''معرفت'' جو یونانی کلمہ ''غنوص'' کا ترجمہ ہے، اس کے متعلق نفس اور اس کے اس عالم

کی طرف اُترنے کے متعلق، عقلِ اوّل کے متعلق، نفسِ کلی کے متعلق اور ''فیوضات'' کے متعلق ان (صوفیاء) کا جو نظریہ ہے وہ افلاطونی آراء وافکار ہیں۔

۴۔ **ہندوستانی تصوف**: صوفیاء نے مذہبی رسوم، روحانی ریاضتیں اور مجاہدۂ نفس کے طور طریقے ہندوستانی تصوف سے حاصل کیے۔ اسی طرح بعض اہل علم کی رائے کے مطابق صوفیانہ گانا بھی اسی سے ماخوذ ہے جو ہندوؤں کے نزدیک ''نروان'' کے نام سے مشہور ہے۔

۵۔ **مسیحیت**: مثلاً صوفیوں نے حقیقتِ محمدیہ کا نظریہ اسی سے اخذ کیا ہے اور حلاج کے نزدیک ''حلول'' مسیحی معنی میں ہے۔

۶۔ **اہل فارس**: فارسیوں کے ملحدانہ افکار کا اس فلسفیانہ تصوف پر بڑا اثر تھا۔ بلکہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اسلام اور اسلامی عقیدے کے خلاف ریشہ دوانی کی، چنانچہ انھوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر زندقہ، الحاد اور بے حیائی کا کلام دین کے نام پر پھیلایا۔ انھی لوگوں کا ہاتھ ان زبردست فتنوں اور فاسد عقائد کے پیچھے تھا جو عباسی دور میں عرب مسلمانوں سے حکومت لینے اور اسے فارسیوں کے سپرد کرنے کے لیے نمودار ہوئے۔

ان کے یہاں بعض اصول وافکار کا اہتمام تھا، جیسے: توحید کے چار مراتب، حُبِ الٰہی کا دعویٰ، وحدۃ الوجود اور حلول واتحاد کا عقیدہ، حقیقتِ محمدیہ، مدائحِ نبویہ اور نظامِ باطنی کا اہتمام جو دیوانِ باطنی کے ساتھ موسوم ہے۔ (التصوف الإسلامي وتاريخه، تعريب: د. ابوالعلاء عفيفي، التصوف للدكتور فهر شفقة، مصرع التصوف، هذه هي الصوفية)

اس فتنے کے پیچھے ابن عربی، حلاج، ابن فارض اور ان کے متبعین تھے جنھوں نے نصوص کی تاویل وتحریف کی، کشف اور علمِ باطنی پر اعتماد کیا، اسلام اور اہلِ اسلام کے نام کو داغ دار کیا۔ ان کے اور علمائے شریعت کے درمیان اختلاف (فکری نزاع) چوٹی تک پہنچ گیا جس نے وقتاً فوقتاً اہلِ سنت کو فتنوں اور آزمائشوں میں ڈالے رکھا۔

اس طرح فلسفیانہ تصوف یا صوفیانہ نظریہ ایک مستقل نظریہ بن گیا جو تیسری صدی کے اواخر میں مزید پھیلنے اور مضبوط ہونے لگا یہاں تک کہ اس نے اپنی ایک خاص مستقل حیثیت اختیار کرلی۔ فرقہ باطنیہ نے اپنے ملحدانہ نظریات کے پھیلانے میں اس تصوف کا استحصال کیا اور تصوف میں سماع ورقص کو بایں خیال داخل کردیا کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور وہ لوگ اس تصوف میں بے حیائی کی حد کو پہنچ گئے کیونکہ ان میں بے داڑھی مونچھ کے نوعمروں اور چھوٹے بچوں سے محبت کرنے کا فتنہ رونما ہوگیا۔ انھوں نے بے حیائی کی اسی مقدار پر اکتفانہیں کیا بلکہ اس بے حیائی کی تائید میں ایک حدیث بھی گھڑلی جو یہ ہے:

"رأيت ربي في صورة شاب أمرد." (الموضوعات لابن الجوزي: ١/ ١٢٥، تلخيص الأباطيل للذهبي، رقم: ١٨، تنزيه الشريعة: ١/ ١٤٥، الأسرار المرفوعة، ص: ٢٠٤، ٢٠٥)

یعنی نعوذ باللہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے ربّ کو بے داڑھی مونچھ کے جوان کی شکل میں دیکھا۔ (دروغ برگردنِ راوی)

افسوس کہ یہ صوفیانہ نظریہ زمانۂ قدیم سے زہد وتصوف اور دین کے نام پر مسلمانوں کی صفوں میں گھس آیا ہے اور بہت سے ملکوں میں امت اسلامیہ کے بگاڑنے میں برابر اپنا رول ادا کررہا ہے۔

محققینِ اہلِ سنت کا ان کی لادینیت وبدعقیدگی پر اتفاق ہے۔ انھوں نے اپنے الحاد کو اسلام کی آڑ میں زہد وتصوف کے پردے میں چھپا رکھا ہے۔ محققینِ اہلِ سنت نے ان پر سخت نکیر کی ہے۔

جو محققینِ اہلِ سنت حضرات اس فلسفیانہ نظریے کے مقابلے اور اس کے عیب کی پردہ دری کے لیے میدانِ عمل میں آئے ان میں سے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ، ان کے شاگرد علامہ ابن قیم اور علامہ بقاعی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ سرفہرست ہیں۔ ان حضرات کی کاوش وکوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ طالبِ حق کے سامنے اس مسئلے میں کسی غوطہ زنی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ مگر ان صوفیاء کے آراء وافکار زمانۂ قدیم وجدید میں

اسلام اور اہلِ اسلام کے نام کو داغ دار بنانے میں اہم رول ادا کرتے رہے ہیں۔ بعض ذی علم مگر نادان حضرات اس صوفیانہ نظریے اور اس کے الحاد سے برابر دھوکے میں رہے ہیں اور ابن عربی اور اس کے مکتبِ فکر میں دماغ سوزی اور اس کے نظریات کے پرچار کے لیے ہمیشہ کمر بستہ رہتے ہیں۔

اصحابِ طرق وسلاسل کا زہد:

اس ملحدانہ نظریۂ تصوف کے ساتھ ساتھ امت اسلامیہ کے اندر متعدد صوفیانہ سلسلے اور طریقے زبردست رواج پا گئے، جیسے طریقۂ قادریہ، طریقۂ چشتیہ اور طریقۂ نقشبندیہ وغیرہ۔ بہت سے لوگ، جن میں بعض اذی علم علماء حضرات بھی ہیں، ان طریقوں کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان میں امت کے لیے خیر وصلاح کا عندیہ رکھتے ہیں بلکہ ان کو نجات کے قریب ترین راستے گردانتے ہیں۔

تصوف کی یہ نوع جسے تزکیۂ وتربیتِ نفس کے لیے اختیار کیا گیا اور جس سے مراد ہے عبادات واذکار کے لیے انواع کا زائد اہتمام کرنا، اس کی دو قسمیں ہیں:

۱: مشروع عبادات کی مقدار میں اضافہ۔

۲: مشروع عبادات کی نوعیت میں اضافہ۔

متقدمین زہّاد وعبّاد عبادت کی پہلی قسم پر عمل پیرا تھے، لٰہذا نماز، روزہ، تلاوت اور ذکر جو فی نفسہ مشروع ہیں، ان میں اس مقدار پر اکتفا نہیں کرتے تھے جو کتاب وسنت میں وارد ہے بلکہ ان عباداتِ مذکورہ میں مبالغے سے کام لیتے تھے۔ انھوں نے نوافل کی ادائیگی، روزہ، تلاوتِ قرآن اور ذکر وتسبیح کے اندر مبالغے کو دن رات کا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا۔

یہ رہبانیت شریعت کی نگاہ میں غیر مستحب ہے اور نبی اکرم ﷺ نے اس پر متنبہ کیا ہے، جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے کہ تین شخص ازواجِ مطہرات کے گھروں پر نبی اکرم ﷺ کی عبادت کے بارے میں سوال کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے۔ جب انھیں آپ ﷺ کی عبادت کی خبر دی گئی تو انھوں نے اسے کم سمجھا اور کہا کہ نبی کریم ﷺ سے ہمارا کیا جوڑ! اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا اگلا پچھلا سب معاف کر دیا ہے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ میں رات بھر برابر نماز ہی پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں تو ہمیشہ روزہ ہی رکھوں گا، بغیر روزے کے نہیں رہوں گا۔ تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ تھلگ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔ جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ کو ان لوگوں کی باتوں کا علم ہوا تو فرمایا: ''تم لوگوں نے ایسی ویسی باتیں کہی ہیں؟ یاد رکھو! بخدا میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں لیکن روزہ بھی رکھتا ہوں اور بغیر روزے کے بھی رہتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کی ہے تو جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (صحيح بخاري: ٩/ ١٠٤)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے رہبانیت کے طریقے کی جانب اشارہ کیا ہے کیونکہ ان لوگوں نے تشدد کو گھڑ لیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا وصف بیان کیا ہے اور ان پر حرف گیری کی ہے۔ انھوں نے اپنے التزام کو پورا نہیں کیا اور نبی کریم ﷺ کا طریقہ سیدھا، سادہ اور آسان ہے، پس آپ ﷺ بغیر روزے کے رہتے تھے تاکہ روزہ رکھنے پر قوت حاصل ہو اور سوتے تھے تاکہ رات میں عبادت پر طاقت حاصل ہو اور شادی کر رکھی تھی تاکہ شہوت پامال ہو جائے، نفس کو عفت حاصل ہو اور نسل کو افزونی ہو۔ (فتح الباري: ٩/ ١٠٥)

بعض اہل علم نے عبادت کی اس نوع کا دفاع کیا ہے جن میں علامہ عبدالحی لکھنوی ہیں، انھوں نے اپنی کتاب ''إقامة الحجة على الإكثار في التعبد ليس ببدعة'' جو مطبوع ہے، کے اندر اس کا دفاع کیا ہے۔

تصوف کی دوسری قسم عبادت کے بعض ایسے انواع کے اضافے پر مبنی ہے جو کتاب وسنت میں ثابت نہیں۔ یہ قسم پہلی قسم سے زیادہ سخت، زیادہ خطرناک اور زیادہ پُر خطر ہے کیونکہ پہلی قسم اعتدال سے تجاوز کی حد میں داخل ہے اور دوسری قسم بدعت میں داخل ہے جو

گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ﴾

[الحديد: ۲۷]

''اور رہبانیت کو ان لوگوں نے گھڑ لیا تھا، ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔''

یہ معلوم ہے کہ دین میں نئی چیز کی ایجاد قابلِ رد ہے، خواہ اس کے لیے کتنی ہی وجہِ جواز تلاش کی جائے اور خواہ اچھی نیت سے ہو یا بُری نیت سے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''جو شخص ہمارے اس دینی معاملے میں ایسی چیز ایجاد کرے جو اس میں نہیں ہے تو وہ لائقِ رد ہے۔'' (یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، ملاحظہ ہو: صحيح بخاري: ۳۰۱/۵، صحيح مسلم: ۱۳۴۳/۳، سنن ابن ماجه: ۷/۱، مسند أحمد: ۲۷۰/۶)

نبی کریم ﷺ برابر اُمت کو یہ نصیحت کرتے تھے کہ یقیناً سب طریقوں میں بہترین طریقہ حضرت محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور سب چیزوں میں بدتر وہ چیز ہے جو دین میں نئی نکالی گئی ہو اور دین میں ہر نئی نکالی گئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف ہر اُس شخص کے لیے سخت ہوتا تھا جو دینی معاملے میں افراط یا تفریط سے کام لے یا دین میں ایسی چیز کو پید کرے جو دین سے نہیں ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، ان سے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن (یہ ابن مسعود کی کنیت ہے)! ابھی میں نے مسجد میں ایک اہم معاملہ دیکھا ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ میں نے خیر ہی دیکھا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ کیا ہے؟ ابوموسیٰ نے کہا: اگر آپ زندہ رہے تو عنقریب اسے دیکھ لیں گے۔ میں نے مسجد میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ حلقے بنا بنا کر بیٹھے نماز کا انتظار کر رہے ہیں، ان کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں اور ہر حلقہ میں ایک ایسا شخص ہے جو کہتا ہے کہ سو بار ''اللہ اکبر'' کہو تو وہ سو بار ''اللہ اکبر'' کہتے ہیں، پھر کہتا ہے کہ سو مرتبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کہو تو وہ سو مرتبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کہتے ہیں، پھر کہتا ہے کہ سو مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہو تو وہ سو مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا: تب تم نے ان سے کیا کہا؟ جواب دیا: میں نے کچھ نہیں کہا بلکہ آپ کی رائے یا حکم کا انتظار کر رہا تھا۔ ابن مسعود نے فرمایا: تم نے انھیں یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ وہ اپنے گناہوں کو شمار کریں اور تُو ضامن ہو جاتا کہ ان کی نیکیوں سے کچھ ضائع نہیں ہوگا۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ابن مسعود چلے اور ان کے ساتھ ہم لوگ بھی چلے یہاں تک کہ وہ ان حلقوں اور ٹولیوں میں سے ایک حلقے کے پاس آکر ٹھہر گئے اور فرمایا: تم لوگ یہ کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! ہم لوگ کنکریوں پر تکبیر، تہلیل اور تسبیح شمار کرتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم لوگ اپنے گناہوں کو شمار کرو، میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمھاری نیکیوں سے کچھ بھی ضائع نہ ہوگا۔ اے امت محمدیہ (کے لوگو)! تمھارا بُرا ہو، تمھاری ہلاکت کس قدر قریب ہے! تمھارے نبی ﷺ کے یہ صحابہ کثیر تعداد میں موجود ہیں اور نبی ﷺ کے یہ کپڑے ہیں جو بوسیدہ نہیں ہوئے اور آپ ﷺ کے برتن ہیں جو ابھی ٹوٹے بھی نہیں۔ بخدا تم لوگ یا تو نبی اکرم ﷺ کی ملت سے زیادہ کامیاب ملت پر ہو یا گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔ انھوں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! بخدا ہم نے خیر ہی کا ارادہ کیا ہے۔ اس پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کتنے ہی خیر کا ارادہ کرنے والے ایسے ہیں کہ انھیں خیر ہرگز نہیں پہنچے گا۔ (سنو!) نبی کریم ﷺ نے ہم سے یہ حدیث بیان کی کہ ایک قوم ایسی ہوگی جو قرآن پڑھے گی لیکن قرآن ان کے حلقوم سے آگے نہیں بڑھے گا۔ بخدا! مجھے معلوم نہیں شاید اس قوم کے اکثر لوگ تم ہی میں سے ہوں، پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس سے چلے گئے۔ عمرو بن سلمہ کا بیان ہے کہ ہم نے ان حلقے والوں میں سے اکثر کو دیکھا کہ نہروان کے دن خوارج کے ساتھ ہو کر ہم سے جنگ کر رہے تھے۔ (سنن دارمي: ۱/ ۶۸، ۶۹)

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم لوگ اتباع کرو اور بدعت ایجاد نہ کرو، جو کچھ کتاب وسنت میں ہے وہ کافی ہے۔ ❶

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ کا یہ شدید انکار عبادات کے معاملے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندازِ فکر کی ایک واضح دلیل ہے۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ اسی مقدار پر اکتفا کرنے کے حریص تھے جو کتاب وسنت میں وارد ہے۔ اتباعِ رسول اللہ ﷺ پر بڑی شدت کے ساتھ کاربند تھے۔ یہ شدید انکار ذکر وتسبیح کے لیے دانوں کے لینے پر تھا اور اجتماعی حلقہ بندی پر بھی۔ اسی سے اُس تصوف کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موقف کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جس کا تانا بانا بدعات اور دینی اختراعات سے تیار کیا گیا ہے اور یہ صوفیانہ طریقے عبادات کی ممارست کے سلسلے میں مستقل مذاہب کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

چنانچہ اہل تصوف ان اعمال کو اپنے خاص ضابطوں کے دائرے میں انجام دیتے ہیں۔ ان میں بیعت کا سلسلہ اور شیخِ طریقت کو اختیار کرنے کا نظریہ، جسے وہ تصورِ شیخ سے تعبیر کرتے ہیں، پایا جاتا ہے اور ان میں قسم قسم کے بہ کثرت مخصوص اوراد واذکار، نمازیں اور طرح طرح کی عبادتیں مخصوص مقدار، مخصوص مکان اور مخصوص زبان میں ادا کی جاتی ہیں۔ اور یہ لوگ ذکر وتسبیح کے لیے دانوں کو استعمال کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عبادات کی ممارست ایک فن کی حیثیت سے کرتے ہیں ذکر اور تعلق باللہ میں قسم قسم کے طریقے اور عبادات کے لیے مختلف اسلوب اپناتے ہیں۔ اور ایسے ''مرشد کامل'' کو اختیار کرنے پر مجبور ہیں جو انھیں ان کے مقصد تک پہنچائے، اپنی روحانی قوت سے مرید کے دل میں ایسا تصرف کرے جو مرید کی حالت میں تغیر پیدا کردے اور وہ مرید برکتِ نورانیت اور لطائف سے بہرہ مند ہوجائے۔ ان صوفیوں نے تصورِ شیخ اور مرشد کامل کے معاملے میں غلو کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ شیخ کی اپنے مریدوں میں وہی حیثیت ہے جو نبی کی اپنی امت میں۔

اس باب میں صوفیوں کی جانب منسوب کچھ ایسے قصے اور کرامات بلکہ خرافات پائے جاتے ہیں جو اصحابِ تصوف کی محفلوں اور مجلسوں کی جان ہیں۔ ان خرافات پر مطلع ہونے والا شخص جب ان کا موازنہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی زندگی سے کرے گا وہ یا تو ان کی تکذیب کرے گا یا ان کی تقدیس واحترام صحابہ وتابعین سے زیادہ کرے گا۔ انھوں نے اضافے کی اسی مقدار پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان میں ''اولیاء اللہ'' کے ایک طبقے کے وجود کا اعتقاد رائج ہوگیا۔ یہ ''اولیاء اللہ'' دو قسم کے ہیں:

۱: **اھل ارشاد**: جن کو اللہ تعالیٰ نے دلوں کی اصلاح اور نفوس کی تربیت کے لیے منتخب کیا ہے اور ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنے معاصرین پر فائق اور ''قطب الارشاد'' ❷ کے لقب سے ملقب ہوئے ہیں۔

۲: **اھل تکوین**: جو لوگوں کے معاش کی اصلاح، کائنات کی تدبیر اور مصائب ومضرات کے دفع کے لیے وکیل بنائے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی اجازت سے اپنی باطنی روحانی طاقتوں کے ذریعے تصرف کر کے لوگوں کے امور کی اصلاح کرتے ہیں۔ ان میں اعلیٰ طبقہ ''قطب تکوین'' ہے۔ گویا اہل ارشاد انبیاء کے مماثل ہیں اور اہل تکوین ان ملائکہ کے مماثل ہیں جو مدبّراتِ امور کی صفت سے متصف ہیں۔

یہ نظریات اور خرافات مسلمانوں کے عقائد میں سرایت کر گئے ہیں حالانکہ کتاب وسنت سے ان کی کوئی اصل نہیں بلکہ عقلِ سلیم ان کو

---

❶ كتاب الزهد لوكيع بن الجراح، رقم الحديث: ٣١٥۔ اس حدیث کی متعدد ائمہ نے اپنی کتابوں میں تخریج کی ہے جن میں سے امام طبرانی اور خیثمہ ہیں۔ اوّل کے متعلق ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۸۱/۱) میں فرمایا: "رجاله رجال الصحيح" اور دوسرے کے متعلق شیخ البانی نے فرمایا: "إسناده صحيح"۔ اس حدیث کی مفصل تخریج کے لیے ملاحظہ ہو "كتاب الزهد لوكيع بن الجراح" بتحقيقي.

❷ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ شیخ محمد زکریا کاندھلوی کی حیات کے متعلق ایک اردو مجلّے کا خصوصی نمبر شائع ہوا تھا جس کا نام ہے: ''قطب الاقطاب نمبر''۔

مردود مطروح قرار دیتی ہے۔

چونکہ عوام کے دلوں میں ان مصلح صوفیاء کی قدر و منزلت تعظیم و تقدیس کی حد تک پہنچ چکی تھی، اس لیے ایک طبقے کو، جو علم، عبادت، زہد اور فقر کی جانب منسوب تھا، اچھا موقع مل گیا کہ عوام کا استحصال کرے، لہٰذا انھوں نے تہوار اور مذہبی رسوم کا اختراع کیا اور اس کے لیے صالحین کے مزارات اور مشاہد پر دین میں نئی باتیں پیدا کرنے اور لوگوں کو فتنے میں مبتلا کرنے کی غرض سے شرک، بدعت اور خرافات کو رواج دیا کہ جن کی تصویر کشی سے قلم عاجز ہے۔

یاد رہے جو چیز بھی دینی اختراع کے قبیل سے ہو، اگر ہم اس کے ایجاد کرنے والوں کی حسنِ نیت کو مان بھی لیں تب بھی بلاشبہ وہ لوگ اللہ تک پہنچانے والے شرعی وسائل سے صرفِ نظر کر کے ان گھڑے ہوئے راستوں کے ڈھونڈنے میں غلطی پر ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ﴾

[البقرۃ: ٦١]

’’کیا تم عوض میں لینا چاہتے ہو ادنیٰ درجے کی چیزوں کو ایسی چیز کے مقابلے میں جو اعلیٰ درجے کی ہے۔‘‘

ہر نئے دینی کام کا لازمی نتیجہ طریقۂ محمدیہ کا ترک ہوتا ہے کیونکہ کتاب و سنت کا دامن چھوڑنے کے بعد مشائخ اور مرشدین کے طریقے کے سوا کوئی چارہ نہیں جو بشر ہیں اور غلطی و گمراہی کے امکان سے مبرا نہیں۔

ان صوفیوں کا ایک عجیب امر یہ ہے کہ تزکیہ و تربیت کا راستہ ڈھونڈنے میں جسارت سے کام لیتے ہوئے انھوں نے اجتہاد کا دروازہ کھول رکھا ہے جب کہ معاملات میں اسے بند کر دیا ہے حالانکہ اس کے برعکس کرنا ان پر واجب تھا کیونکہ عبادات میں قیاس ہے ہی نہیں۔

اس مقام پر یہ سمجھ لینا مناسب ہے کہ عبادت کی دو بنیادی شرطیں ہیں:

۱: اللہ کے لیے اخلاص ہو۔

۲: عبادت نبی اکرم ﷺ کے طریقے کے موافق ہو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۝﴾ [الکھف: ١١٠]

’’جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔‘‘

مشروع علم اور مشروع عبادت رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے ماخوذ ہے۔ لیکن جو ان کے بعد والوں سے منقول ہو اسے اصل بنانا درست نہیں اگرچہ اس کو خود کرنے والا معذور بلکہ اجتہاد یا تقلید کی وجہ سے مستحقِ اجر ہوگا۔ (فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۳۶۲/۱۰، ۳۶۳)

اور مشروع طریقہ وہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ نیکی، اطاعت، حسنات، خیر اور معرفت کا راستہ ہے۔ سالکین کا طریقہ ہے اور قاصدین و عابدین کا راستہ ہے۔ اسی راستے پر وہ لوگ چلا کرتے ہیں جن کی ہدایت کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے۔ اور جو زہد و عبادت کے لیے خود ساختہ راستے پر چلا کرتے ہیں تو یہی وہ طریقہ ہے جو فقر اور تصوف وغیرہ کے ساتھ نام زَد ہے۔

بلاشبہ اس مشروع طریقے میں مشروع نمازیں: فرض اور نفل سب داخل ہیں۔ نیز مشروع قیام اللیل، مشروع طریقے پر قرآن کا پڑھنا، شرعی اذکار و دعائیں اور وہ جو کسی وقت مثلاً صبح و شام کے ساتھ موقت ہیں اور وہ جو کسی سبب کے ساتھ متعلق ہیں، جیسے تحیۃ المسجد، سجدۂ تلاوت، صلاۃ کسوف، صلاۃ استخارہ اور وہ جو شرعی اذکار و دعائیں ان میں وارد ہیں وہ سب اس مشروع طریقے میں داخل ہیں، ان کے علاوہ اور بہت سارے امور داخل ہیں۔ اسی طرح اس میں شرعی روزے بھی داخل ہیں۔ اسی طرح شرعی سفر بھی اس میں داخل ہے، مثلاً مکہ کا سفر اور اس کے علاوہ بقیہ دونوں مسجدوں (مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) کا سفر اور اسی طرح جہاد بھی اپنے مختلف انواع سمیت اس میں داخل ہے۔ (فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۳۷۲/۱۱)

جس شخص نے کلامِ علمیہ (اصول وفروع) کی بنا کتاب وسنت اور ان آثار پر رکھی جو متقدمین سے منقول ہیں، اس نے نبوت کا طریقہ پا لیا۔ اسی طرح جس نے ارادہ، عبادت عمل اور وہ سماع جو اعمال کے اصول اور فروع، یعنی قلبی احوال اور بدنی اعمال سے متعلق ہے ان کی بنیاد ایمان، سنت اور اس طریق پر رکھی جس پر نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام تھے، اس نے نبوت کا طریقہ پالیا اور یہی ائمہ ہدایت کا طریقہ ہے۔ اور سنت کا اصول یہ ہے کہ مضبوطی سے اس طریقے کو پکڑ لیا جائے جس پر نبی کریم ﷺ کے اصحاب تھے، جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بیان ہے۔

(فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۱۰/۳۶۲، ۳۶۳)

اور امام موصوف اپنی تمام تالیفات میں اسی اصول پر گامزن ہیں۔ اسی طرح امام بن مبارک، امام شافعی، امام بخاری اور دیگر ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم کا حال ہے۔ لیکن غلطیوں میں علماء کی پیروی کرنا درست نہیں کیونکہ عالم کی غلطی قابلِ اتباع نہیں، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اہل خیر، اہل صلاح اور اہل عبادت کے لیے ان کے امور اور اجتہادات میں عذر تلاش کریں اور دیدہ ودانستہ ان کی غلطی میں ان کی اقتدا نہ کریں:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ [الحشر: ۱۰]

''اے ہمارے رب! ہم کو اور ہمارے پچھلے مومن بھائیوں کو بخش دے اور ہمارے دلوں میں مومن بھائیوں کے لیے کینہ پیدا نہ کر، اے ہمارے رب! تو بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔''

(جاری ہے)



بقیہ: غنية الباری

اور روزے کو پورا کرے اور جس نے کچھ نہیں کھایا (وہ بھی افطار تک) کچھ نہ کھائے۔''

فائدہ: عاشوراء نام ہے ماہِ محرم کی دسویں تاریخ کا۔ اور لفظ ''أو فليصم'' شک ہے راوی کا۔ امام خطابی نے کہا: روزہ دن کے کچھ حصے تک، یعنی دوپہر تک کا صحیح نہیں اور یہ حکم استحبابا ہے، یعنی وقت کی رعایت سے جو اسے پالے تو روزہ رکھے کیونکہ یہ اہل اطاعت کے ساتھ مشابہت سے ہے۔ اور حکم نے کہا: یہ حدیث عاشوراء منسوخ ہے۔ لیکن صحیح قولِ اوّل ہے یا نسخ سے مراد فرضیت کا نسخ ہے۔ اللہ تعالیٰ یوم عاشوراء کے روزے کے عوض گزشتہ سال کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ نویں دسویں کا یا دسویں گیارھویں کا روزہ رکھے۔ ادنی یہ ہے کہ دسویں کا یا نویں کا رکھے، یہی علامہ علی قاری حنفی نے کہا ہے۔



بقیہ: خصوصیات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

۱۵: اکیلے ابوبکر کا دروازہ کھلا رہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گھروں کے دروازے مسجد نبوی کے صحن میں کھلتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارک کے آخری ایام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دروازے کے علاوہ دوسرے تمام دروازوں کو بند کردینے کا حکم صادر کیا۔ الفاظ یہ ہیں:

((لا يبقين في المسجد باب إلا سُدّ، إلا باب أبي بكر.)) (صحيح بخاري: ۱/۵۱۶)

یعنی مسجد میں کھلنے والے سب دروازے بند کردیے جائیں سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کے۔''

سیرت وسوانح

قسط نمبر ۶ آخری قسط

تذکرہ حافظ محمد دین سرگودھوی رحمہ اللہ

عطاء محمد جنجوعہ

سالانہ ضلعی سیرت النبی ﷺ کانفرنس:

محترم حافظ صاحب نے چک کی شوریٰ کا ۱۹۷۶ء میں اجلاس طلب کیا۔ اُن کے سامنے سالانہ کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز پیش کی تاکہ نوجوانوں کے دل میں عقیدۂ توحید اور اتباعِ رسول کے جذبے کو فروغ حاصل ہو اور روحانی ماحول میں نئی پود کی تربیت ہو سکے۔ افرادی قوت کا مظاہرہ کر کے کمزور جماعتوں کو سہارا میسر ہو اور مرکزی و ضلعی کانفرنسوں میں شرکت کے لیے نوجوانوں میں مسلک اہل حدیث کا جذبہ بیدار ہو سکے، چنانچہ بعد ازاں ارکان شوریٰ نے اتفاقِ رائے سے کانفرنس جاری رکھنے کا عزم کیا۔

اجازت میں مشکلات:

محترم حافظ محمد دین کو ضلعی سیرت النبی کانفرنس کے انعقاد کی منظوری کے سلسلے میں مذہبی وسیاسی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن آپ نے دلبرداشتہ ہو کر حوصلہ نہیں ہارا اور رب کی نصرت کے امیدوار بن کر جدوجہد جاری رکھی۔

علاقے کی جماعتی شوریٰ نے ۱۹۸۵ء کی کانفرنس میں خصوصی خطاب کے لیے علامہ احسان الٰہی ظہیر کو دعوت دینے کا فیصلہ کیا۔ علامہ شہید اردو اور عربی زبان کے نام وَر خطیب تھے۔ انھوں نے جمعیت اہل حدیث کے نائب امیر مفتی محمد صدیق رحمہ اللہ کے حکم پر حامی بھر لی۔ اشتہار میں خطیبِ ملت کا نام شائع ہوا۔ مخالفین نے خفیہ تدبیروں سے کانفرنس کی منظوری میں رکاوٹ ڈال دی۔ جماعت کے ضلعی با اثر افراد نے معذرت کر لی۔ چوہدری عبدالواحد گجر راوی ہیں کہ حافظ صاحب نے ہمت نہ ہاری۔ وہ مجھے ہمراہ لے کر رات کو لاہور چلے گئے۔ کانفرنس کے دن ہم علی الصبح علامہ صاحب کے مکان پر پہنچ گئے۔ علامہ صاحب رحمہ اللہ کی زندگی کا معمول تھا وہ عشاء کے بعد تقریر کر کے فوراً لاہور چلے جاتے اور نماز فجر کے بعد تصنیفی کام میں مگن ہو جاتے۔ اجازت ملنے پر حاضر ہوئے تو اُس وقت علامہ صاحب رحمہ اللہ کے سامنے میز پر کتابوں کا وسیع ذخیرہ تھا۔ علامہ صاحب کتاب کا نام اور صفحہ نمبر بتا رہے تھے، مولانا عطاء الرحمٰن ثاقب رحمہ اللہ حوالہ نکال کر دکھا رہے تھے۔ ہم نے مدعا بیان کیا تو وہ سن کر غصے میں آ گئے۔ انھوں نے فوراً ڈی سی سرگودھا کو فون کیا: ''لاہور سے احسان الٰہی ظہیر بول رہا ہوں۔ میں نے آج پریس کلب سرگودھا میں شام کو خطاب کرنا ہے۔ اس کے بعد چک نمبر ۲۳ میں رات کو تقریر ہے۔ چک کے ساتھی میرے پاس بیٹھے ہیں، وہ کہہ رہے ہیں تم منظوری نہیں دے رہے۔ میں نے اطلاع دے دی ہے کہ میں آ رہا ہوں۔'' اور ہمیں مخاطب ہوئے: ''تم فوراً شیخوپورہ جا کر حافظ محمد عبداللہ کو کہو کہ تیار رہیں، اکٹھے جلسے پر جائیں گے، ان شاء اللہ۔ اطلاع کر کے، پھر چک چلے جاؤ اور انتظام کرو۔''

ہم نے شیخوپورہ اتر کر حافظ محمد عبداللہ کو اطلاع کی اور چک چلے گئے۔ چک ۲۳ کے جو ساتھی منظوری کے لیے ضلع کچہری سرگودھا میں پھر رہے تھے۔ ڈی سی نے اُن کو فوراً طلب کیا اور منظوری دے دی۔

مشورے کی برکت:

مشورے سے معاملات طے کرنا مومن کا وصف ہے، ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝﴾

[الشوریٰ: ۳۸]

''اور جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں

اور اُن کا کام باہم مشورے سے ہوتا ہے اور وہ اس میں سے جو ہم نے انھیں دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔''

اسلام شورائی نظام ہے۔ جب کسی امر کے متعلق کتاب وسنت کا فیصلہ نہ ملتا ہو تو پھر پیش آمدہ اجتماعی، انفرادی، سیاسی اور رفاہی امور میں مجلس مشاورت مجاز ہے کہ کوئی فیصلہ کرے۔ امام کائنات محمد ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے صحابہ کرام سے مشورہ کرتے تھے۔

چک ۲۳ الف (سرگودھا) کی جماعت کو حافظ محمد دین کی فہم وفراست، امانت ودیانت پر اعتماد تھا۔ آپ مرضی سے جو کام کرنا چاہتے کرسکتے تھے لیکن آپ رہبر اعظم ﷺ کی سنت کے شیدائی تھے، چنانچہ حافظ صاحب تحریکی، تبلیغی، تنظیمی اور تعمیراتی امور میں مقامی جماعت کے صاحبِ تدبر حضرات کو بلا کر مشورہ کرتے تھے۔ آپ کی اخلاقی تربیت کی اثر پذیری تھی کہ ہر ایک دلائل سے موقف پیش کرتا اور دوسروں کی بات کو تحمل مزاجی سے سنتا۔ محترم حافظ صاحب کو جو موقف قوی معلوم ہوتا ساتھیوں کے اتفاق رائے سے اسے سرانجام دینے کا عزم کرلیتے۔ حافظ صاحب فرماتے تھے کہ اس طرح اگر خدانخواستہ مذکورہ امر کا نتیجہ مثبت کی بجائے منفی برآمد ہو تو جماعتی احباب ایک دوسرے پر الزام عائد نہیں کرتے بلکہ اسے تقدیر سمجھ کر صبر کرتے ہیں۔

۱۹۹۷ء کی سالانہ اہل حدیث کانفرنس کی تاریخ مقرر ہوگئی۔ بارشوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ کانفرنس کے دن مقامی جماعت کی شوریٰ کا اجلاس ہوا۔ بعض احباب ملتوی کرنے کا مشورہ دے رہے تھے اور کچھ انعقاد کا۔ گفتگو کے دوران ایک ساتھی رحمت اللہ نے رائے دیتے ہوئے کہا: شادی کی تاریخ مقرر ہوجائے تو کوئی موسم کی خرابی کی بنا پر اسے ملتوی نہیں کرتا حالانکہ وہ دنیوی معاملہ ہے۔ کانفرنس کی غرض وغایت تو اللہ کے دین کی اشاعت ہے، اس لیے ہمیں یہ تبلیغی پروگرام ملتوی نہیں کرنا چاہیے اور ہم سب کو مل کر دعا کرنی چاہیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ موسم کو خوش گوار کردے۔ یہ سن کر اراکین مسکرا پڑے اور کانفرنس کرانے پر اتفاق کرلیا۔

ساتھیوں کے اصرار پر حافظ صاحب نے دعا کرائی، اللہ نے موسم کو خوش گوار کردیا۔ سامعین نہایت دل جمعی سے کانفرنس سنتے رہے۔ میاں عبدالغفار آزاد اور دیگر ساتھی جو باہر سے آئے تھے، ان کے بہ قول چک ۲۳ کے گرد ونواح میں خوب بارش ہوئی جب کہ چک میں جونہی کانفرنس ختم ہوئی بارش شروع ہوگئی۔ یہ سب مشورے کی برکت، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حافظ صاحب کی دعا کا ثمر تھا۔

صدقہ جاریہ:

محترم حافظ صاحب کی تبلیغ اور حُسنِ اخلاق سے علاقے بھاگٹانوالہ کے کئی خاندانوں نے اپنی زندگی کتاب وسنت کے مطابق ڈھال لی۔ مولانا محمد رفیق آف چک ۳۰، جنوبی راوی ہیں کہ ہمارے والدین نے حافظ صاحب کی دعوت پر مسلک اہل حدیث قبول کیا۔ میرے والد خوشی محمد خطبہ جمعہ سننے کے بعد حافظ صاحب کی صحبت میں بیٹھنا سعادت سمجھتے تھے۔ حافظ صاحب نے ایک دن درس میں نبی کریم ﷺ کا فرمان سنایا:

((خيركم من تعلم القرآن وعلمه.))

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو خود بھی قرآن سیکھے اور دوسروں کو بھی سکھائے۔''

اس حدیث کا مفہوم بیان کرنے کے بعد فرمایا: موجودہ دور کا المیہ ہے کہ اکثر مسلمان اپنے بچوں کو اسلامی تعلیم سیکھنے کے لیے اداروں میں بھیجنا اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ جب کہ دنیوی تعلیم کے حصول کے لیے اعلیٰ سرکاری سکولوں میں بھیجنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ میرے والد نے اپنے تینوں بیٹوں کو دینی علم سیکھنے کے لیے وقف کردیا۔ محمد رفیق مزید بیان کرتے ہیں کہ حافظ صاحب نے مجھے اور میرے بھائیوں کو یکے بعد دیگرے جامعہ علمیہ میں داخل کرایا۔ دورانِ تعلیم جامعہ آکر ہماری نگہداشت کرتے رہے۔ ہمارا جیب خرچ اور تعلیمی ضروریات کو پورا کرتے رہے، پھر ہمیں جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) داخل کرایا۔

اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کا یہ عمل حدیث کے مطابق ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، آمین۔

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دونسخوں کا آنا ضروری ہے

تعارف القرآن

مصنف: عبدالرشید عراقی
ناشر: مکتبہ جمال، تیسری منزل، حسن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
ضخامت: ۴۰۰ صفحات قیمت: ۵۰۰ روپے
تبصرہ نگار: محمد اسحاق بھٹی

ہمارے دوست ملک عبدالرشید عراقی کا قلم ماشاءاللہ بڑا رواں ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب کے آخر میں ان کی تصانیف کی جو فہرست شائع ہوئی ہے، اس سے پتا چلا کہ ان کی چھوٹی بڑی، مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف کی تعداد ساٹھ تک پہنچ گئی ہے، یعنی تصنیف وتالیف کے حساب سے وہ ساٹھے باٹھے ہوگئے ہیں۔ اس کے علاوہ رسائل وجرائد میں ان کے شائع شدہ مضامین کی تعداد سو کے ہندسے کو عبور کر چکی ہے۔ یوں کرکٹ کی اصطلاح میں نے سنچری بنالی ہے۔

عراقی صاحب ہر موضوع پر لکھتے ہیں اور تیزی سے لکھتے ہیں۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ زیرِ نظر کتاب میں قرآنِ مجید کے تعارف کو موضوعِ تحریر بنایا گیا ہے۔ یعنی قرآنِ مجید کی مکی اور مدنی ایک سو چودہ سورتیں ہیں، کتاب میں مصنف شہیر نے اپنے انداز میں ہر سورت کے مضامین کی نشان دہی اور شانِ نزول کی وضاحت فرمائی ہے۔ قرآنیات کے سلسلے کی یہ ایک اہم خدمت ہے جو انھوں نے سرانجام دی۔

کتاب میں لائق مصنف نے مختلف حضرات کی تحریروں کی مدد سے اچھا خاصا مواد جمع کر دیا ہے۔ ان کا پیرایۂ اظہار آسان اور عام فہم ہے۔ مشکل الفاظ کے استعمال سے وہ عموماً گریزاں رہتے ہیں، اس کتاب میں بھی انھوں نے اپنے اس عمل کو برقرار رکھا ہے۔

مکتبہ جمال کی طرف سے بہت سی اہم کتابیں شائع کی گئی ہیں۔ یہ کتاب بھی اپنے موضوع میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ قرآن کی خدمت جس انداز میں بھی کی جا سکے، کرنا ضروری ہے۔ اہل علم نے اس کے ہر پہلو پر لکھا ہے اور لکھ رہے ہیں۔ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس کارِ خیر میں حصہ لیتے ہیں۔ عراقی صاحب نے بھی ایک خاص اسلوب میں یہ خدمت سرانجام دی ہے، اس کی اللہ ہی انھیں جزا دے گا۔ قارئین کو اس کتاب سے استفادہ کرنا چاہیے۔

مکتبہ جمال نے کتاب خوب صورت انداز میں شائع کی ہے۔ مضبوط جلد، کاغذ، طباعت، کمپوزنگ عمدہ۔ کہنا چاہیے کہ مکتبہ جمال نے اپنی اشاعتی روایت کو قائم رکھا ہے۔ اس مکتبے نے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد سے متعلق متعدد کتابیں شائع کی ہیں اور ہر کتاب دیدہ زیب انداز سے شائع کی ہے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ کی بھاوج کا انتقال

حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ کی بھاوج اور محمد حنیف صاحب (چک نمبر ۵۳ گ ب ڈھیسیاں، ضلع فیصل آباد) کی اہلیہ محترمہ گزشتہ دنوں وفات پا گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ کی وفات اچانک ہی ہوگئی۔ طبیعت خراب نہ تھی۔ بس قضاء کا وقت تھا کہ اپنے اللہ کے پاس چلی گئیں۔ اللہ کریم ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔ ان کے بیٹوں اور بیٹیوں ودیگر لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔ (الاعتصام)

پروفیسر عبدالحکیم سیف کے لیے دعائے صحت:

پروفیسر عبدالحکیم سیف صاحب مہتمم مدرسہ محمدیہ قدوسیہ، کوٹ رادھا کشن ان دنوں شدید علیل ہیں۔ موصوف کی صحت کاملہ عاجلہ کے لیے دعاؤں کی درخواست ہے۔ (محمد حنیف، مدرس مدرسہ ہذا)

دعائے صحت:

حافظ بلال احمد درویش کے بھتیجے بہ عمر ۸ سال ان دنوں علیل ہیں۔ شوکت خانم ہسپتال لاہور میں زیر علاج ہیں۔ احباب دعائے صحت فرمائیں۔ (لواحقین)

ازقلم: حکیم محمد یحییٰ عزیز ڈاھروی
0301-4481583

دارالحدیث جامعہ کمالیہ منڈی راجووال اوکاڑہ میں

تقریب بخاری شریف

اور 52 ویں اہل حدیث کانفرنس

سرزمین پاکستان میں مسلک اہل حدیث کے سلفی مدارس دینیہ میں سے دارالحدیث جامعہ کمالیہ (رجسٹرڈ) منڈی راجووال ضلع اوکاڑہ کو خاص مقام حاصل ہے۔ دارالحدیث ہذا میں 1949ء سے تا حال بقیۃ السلف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف (حفظہ اللہ) بانی ادارہ کی زیر سرپرستی اپنی کامیابی کی منازل کی طرف بفضلہ تعالیٰ رواں دواں ہے۔ دارالحدیث ہذا میں اس سال 29 حفاظ کرام کو قرآن پاک حفظ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جب کہ علوم دینیہ سے فراغت حاصل کرنے والے قدیم 4 اور موجودہ سال کے 5 علمائے کرام کی تکمیل بخاری کے اعزاز میں پر وقار، نظم نسق کے اعتبار مثالی، عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق 52 ویں تقریب بخاری شریف اور اتفاق اہل حدیث کانفرنس منعقد ہوئی۔ تقریب کا آغاز 17 نومبر 2021ء بروز ہفتہ کو بعد نماز ظہر سے 18 نومبر بروز اتوار بعد نماز فجر درس قرآن تک جاری رہا۔ اس کی کل 5 نشستیں ہوئیں۔ بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس شیخ الحدیث مولانا حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد نے ارشاد فرمایا، ڈاکٹر عبدالرحمان یوسف نے سیرت امام بخاری اور صحیح بخاری کی دیگر کتب احادیث میں اہمیت ورفعت کو شاندار انداز میں بیان کیا۔ اور محدث دوراں الشیخ مولانا عبداللہ ناصر رحمانی (کراچی) نے عقیدہ ومنہج کے موضوع پر بہت مؤثر اور بھرپور خطاب فرمایا۔ نیز امام بخاری نے اس کی جمع وتدوین طرق متن اور سند میں صحت کے اعلیٰ معیار کو جس انداز میں قائم رکھا ہے یہ ان کا امت مسلمہ پر بہت بڑا احسان ہے۔ جس کو تا قیامت یاد رکھا جائے گا اور امام بخاریؒ کی خدمت کے تذکرے اور ان کے درجات و بلندی کے لئے دعائیں یونہی ہوتی رہیں گی۔ باقی نشستوں میں مولانا محمد ارشد یزدانی، مولانا محمد ابراہیم خلیل فیروزپوری امیر مرکزی ضلع اوکاڑہ، قاری محمد خالد مجاہد، مولانا عمر فاروق، مولانا محمد عمران شریف، مولانا محمد نعیم بٹ، میاں محمد جمیل، مولانا محمد شفیع، سید سبطین شاہ نقوی اور قاری محمد حنیف ربانی (کامونکی) نے خطابات کیے۔ مقررین نے اپنے خطابات میں عظمت توحید، ختم نبوت، حقانیت مسلک اہل حدیث، فقہ اور احادیث نبویہ، صحابہ کرام اور اہل بیت کے باہمی تعلقات پر شاندار روشنی ڈالی اور امت مسلمہ پر فلسطین، میانمار، عراق، کشمیر و افغانستان میں عالم کفر نے دہشت گردی اور مسلم نسل کشی کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس کی شدید مذمت کی اور کہا کہ دنیا میں امن اور پاکستان کی سلامتی صرف اور صرف قرآن وحدیث کے نظام حکومت سے ممکن ہے۔ ہمارے مسائل کا خاتمہ ہماری اصلاح اور معاشرے میں انقلاب قرآن وسنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی اس طرح آج ضرورت ہے جس طرح دور جہالت میں صحابہ کرامؓ اسلام قبول کر کے عمل پیرا ہوئے تھے۔ مختلف نشستوں کی صدارت مہمانان گرامی حافظ عبدالغفار روپڑی، ڈاکٹر عظیم الدین لکھوی، مولانا عطاء اللہ حنیف ڈاھروی، حافظ عبدالوہاب روپڑی، حافظ محمد شریف اشرف اور دیگر احباب نے فرمائی۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض حافظ حسن محمود کمیرپوری، شیخ عدنان، تلاوت حمد ونعت کی سعادت قاری شفقت الٰہی، قاری عبدالوہاب صدیقی، حاجی عبدالرشید اصغر اللہ والے، قاری تاج دین شاکر اور میاں برادران نے حاصل کی۔ 18 نومبر نماز فجر کا درس قرآن پاک مفتی جماعت الشیخ حافظ عبدالستار الحماد حفظہ اللہ (میاں چنوں) نے ارشاد فرمایا۔ فارغ التحصیل ہونے والے طلباء اور پوزیشن ہولڈرز طلباء میں نقدی تقریباً 30 ہزار روپے کے انعامات اور درس نظامی والے طلباء میں صحیح بخاریؒ شریف، صحیح مسلم شریف، ابوداؤد شریف، تفسیر ابن کثیر و دیگر کتب کے سیٹ تقسیم کیے گئے۔ کانفرنس کے اختتام پر مظلوم مسلمانوں کی آزادی، مجاہدین کی نصرت، عالم اسلام کے اتحاد پاکستان کی سلامتی اور اکابرین مرحوم کے لئے مغفرت اور بلند درجات کے لئے خصوصی دعا کی۔ کانفرنس کے اختتام پر شرکاء نے اس کی کامیابی پر مبارک باد دیتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحمان محسن اور ان کے دیگر رفقاء اور شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف حفظہ اللہ کی بحالی صحت اور ادارے کی ترقی اور کامیابی کے لیے دعائیں کرتے ہوئے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دارالحدیث کو تا قیامت آباد رکھے اور اس کی آبیاری کرنے والے تمام معاونین کو دین ودنیا کی کامرانی عطا فرمائے آمین۔ (اشتہار)

نیا سفر ہے پُرانے چراغ گُل کر دو

ربیعہ آ کہ زمانے پہ مسکرا کے چلیں
بہار بن کے رہیں، ہم قدم صَبا کے چلیں

قضا کے رخ کو بدل دیں بعزمِ عشقِ جواں
حیات تلخ سہی، اِس پہ مسکرا کے چلیں

سہیلیوں سے کہو زاویے بدل ڈالیں!
غزل کی لے میں کوئی گیت گُنگُنا کے چلیں

اُفق کے پار شفق رنگ، لالہ زاروں میں
چلی چلو تو یہاں سے قدم بڑھا کے چلیں

حیات کیا ہے عناصر کے تجربے کے سوا
بہشتِ ارض کو خُلدِ بریں بنا کے چلیں

جوانیوں کی نئی ڈالیوں پہ لہرائیں
محبتوں کے نئے کارواں بنا کے چلیں

شہنشہوں کو جھکائیں حضورِ محنت میں
قلم کو تیغ بنا کر فضا پہ چھا کے چلیں

(شورش کاشمیری)